حیات

علامہ فضل الحق خیرآبادی

مفتی انتظام اللہ شہابی اکبرآبادی

سلسلہ اکابرین جنگ آزادی

سنہ ۱۸۵۷ء

نمبرا

حیات

علامہ فضل حق خیرآبادی

اور

(اُن کے سیاسی کارنامے)

ازقلم

مفتی انتظام اللہ شہابی اکبرآبادی

شائع کردہ : اپنا پرکاشن
نعمت اللہ بلڈنگ۔ نعمت اللہ روڈ
لکھنؤ
سنہ ۱۹۶۶ء
قیمت : ایک روپیہ ۲۵ پیسے
مطبوعہ سرفراز پریس۔ لکھنؤ

۱۸۵۷ء کا پس منظر

پہلی جنگِ آزادی جس کو انقلاب ۱۸۵۷ء سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کا انگریز غدر کے نام سے سو برس تک ڈھنڈورا پیٹتا رہا مگر تاریخی حقائق شاہد ہیں کہ یہ آزادی کی تحریک تھی اور مسلمان اپنی کھوئی ہوئی عظمت کو پھر بحال کرنا چاہتے تھے اور اس تحریک کو بروئے کار لانے میں علمائے کرام اور صوفیا کا بڑا کارنامہ ہے اس تاریخی واقعہ سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ سراج الدولہ اور ٹیپو سلطان شہید نے انگریز کے قبضہ سے ملک کو چھڑانا چاہا مگر اپنوں کی غداری سے قوم پر جان نثار کر گئے۔ مغلیہ حکومت دم توڑ چکی تھی یہی شاہ عالم۔ مرہٹوں اور کبھی انگریزوں کے وظیفہ خوار بن چکے تھے۔ انگریز پورے ملک پر صاحب اقتدار ہو چکا تھا۔ علماء نے قوم کی حالت کا جائزہ لیا اور اس کا مداوا احیاء جہاد قرار دیا۔ مولانا عماد الدین ابن ملا وہاج الدین معاصر مفتی

دلی گوپاموی[1] پہلے فرد ہیں کہ انھوں نے فارسی میں رسالہ جہاد لکھا
مولانا عماد کا شاگرد مولوی محمد حسین تلہری صوفی ۱۸۰۱ء درس و
تدریس کے ساتھ وعظ کہتے جس کا موضوع جہاد ہوتا[2] تھا۔ ۱۸۱۶ء
میں بریلی میں مفتی محمد عیوض بریلوی، ہاؤس ٹیکس کے سلسلہ میں مجاہدین
کے ساتھ انگریزی فوج سے نبرد آزما ہوئے ناکامی پر ٹونک چلے[3] گئے۔
شاہ عالم کے بعد اکبر شاہ ثانی نام نہاد حکومت پر جلوہ افروز ہوئے
حکمرانی قلعہ کی چہار دیواری تک محدود تھی۔ اس کے عہد میں مولانا سید
احمد بریلوی شاگرد شاہ عبدالعزیزؒ دہلوی اور مولانا محمد اسمٰعیل شہید
نے سکھوں پر عملی جہاد کیا۔ بالاکوٹ پر ۱۲۴۶ء میں شہید ہوئے۔
شہادت سے پہلے انگریز سے مقابلہ کی تیاری کر رہے تھے ہندو راؤ
مہاراجہ گوالیار کے عزیز سے مراسلت شروع کر دی تھی۔ عمال ایسٹ
انڈیا کمپنی نے اس عہد میں محکمہ شرعیہ توڑا اور صدر نظامت اس
کے بجائے الہ آباد میں قائم کی مفتی انعام اللہ خاں بہادر مفتی محکمہ[4]
مذکور کو صدر کا سرکاری وکیل کر دیا اور صدر میں قاضی مقرر کیا۔ مفتی
اسد اللہ خاں بہادر قاضی صدر تھے[5]۔ مولانا محمد اسحاق نواسہ شاہ
عبدالعزیزؒ دہلوی نے ان حالات کے پیش نظر ہندوستان کو دارالحرب
قرار دے کر خود دلی سے ہجرت کر کے حجاز چلے گئے۔

---

[1] آثار العلماص۔ [2] تاریخ شاہ آباد۔ [3] منتخب تاریخ ہند ص ۱۹۲ [4] تاریخ مفتیان
گوپامو مفتی محمد حسن ص ۲۰ [5] انشائے ہجد

مولوی خرم علی بلہوری صاحب مشارق الانوار[۱] متوفی ۱۲۶۳ھ / ۱۸۴۷ء نے رسالہ جہادیہ لکھ کر شائع کیا۔ تاکہ قوم میں تشویق جہاد پیدا ہو۔

بعد حمد خدا نعت رسول اکرم — یہ رسالہ جہادیہ کہ لکھتا ہے قلم

۱۸۴۷ء میں مولوی احمد اللہ شاہ دلاور جنگ ابن محمد علی نواب چینیاپٹن جے پور میں میر قربان علی گوالیار میں محراب شاہ قلندر رہے بیعت جہاد کرتے ہوئے دلی گئے۔ مفتی صدرالدین خاں آزردہ کے مشورے سے آگرہ آئے۔ مفتی انعام اللہ خاں بہادر کے یہاں مقیم ہوئے[۲]۔ مجلس علمار کی تشکیل کی اور بیعت جہاد کا سلسلہ شروع کردیا۔ اس زمانہ میں پہلے سے بہت زیادہ علیسویت کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا پادریوں نے یورپ سے آکر اسلام کے خلاف زہر اگلنا شروع کردیا۔ ڈاکٹر وزیر خاں ابن شرف الدین اکبرآبادی اور مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے مناظرہ کرکے ہندوستان سے بھگا دیا[۳]۔

مولوی سرفراز علی شاہ جہان پوری گورکھپور میں درس و تدریس کے سلسلے کے ساتھ بیعتِ جہاد بھی لیتے۔ جنرل بخت خاں روہیلہ سلطانپوری آپ کا مرید تھا۔ عبداللہ صدر الصدور کانپور میں درس بھی طلبار کو دیتے اور جہاد کی تلقین کرتے۔ مراد آباد میں مولوی منوہرا اور مولانا محمد اسمٰعیل لندنی اور مولوی کفایت علی کافی الہ آبادی میں مولوی لیاقت علی جن کا رسالہ جہاد محاربہ عظیم میں شائع ہو چکا ہے۔ مولوی فیض احمد بدایونی

۱؎ تواریخ احمدی فتح محمد تائب لکھنوی۔ ۳؎ غدر کے چند علمار

اور اکبر زماں اکبرآبادی سے حضرات انگریز سے دو دو ہاتھ کرنے کے لئے اہلِ ملک کو تیار کر رہے تھے۔

عظیم اللہ خاں کانپوری نے انقلاب ۱۸۵۷ء کی اسکیم بنائی۔ نانا راؤ پیشوا کو ہمنوا کر کے ملک کا دورہ کیا۔

ابو ظفر بہادر شاہ بھی انگریز سے خلاصی کی تدبیروں میں لگے ہوئے تھے اپنے بھائی مرزا بخت کو شاہ ایران کے پاس بھیجا۔ قبر، حبشی کو سلطان روم سے مدد لینے کے لئے روانہ کیا[1] فوجیوں کو بھی مرید کرتے شجرہ کے ساتھ سرخ رومال عطا کرتے۔ واجد علی شاہ کی معزولی پر اودھ کے علاقہ میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ فوج بادشاہی جو نکالی گئی ہر ایک انگریز کا دشمن تھا اور فوجوں میں جا کر انگریز کے خلاف بھڑکاتا تھا۔ محمد شفیع جانگامی لکھنؤ سے ایک پلٹن کے ساتھ مبارکپور گئے۔ انھوں نے فوجیوں میں اشتعلہ چھوڑا قضیئہ کارتوس نے آگ لگادی بارک پور میں انگریز افسر مارے گئے۔ کچھ عرصہ بعد ۱۰ مئی کو میرٹھ میں ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا۔

۲۱ جون کی تاریخ مقرر تھی کہ اس واقعہ نے اس اسکیم کو نقصان پہونچایا ہر ایک اپنی جگہ اٹھ کھڑا ہوا انگریز کی پٹائی کی گئی وہ ملک چھوڑ کر بھاگنے کو تھا کہ ملک کے راجہ نوابوں وغیرہ نے غداری کی انگریز کو جاتے ہوئے روک لیا۔ اور اپنوں کو مروایا۔ مولانا فضل حق نے

---

[1] مقدمہ بہادر شاہ

آزادی کی تحریک کو فتوے جہاد سے گرما دیا تھا جس کی پاداش میں انڈمان بھیج دیے گئے۔ یہ ان کی سوانح عمری جس میں سیاسی کارنامہ تفصیل کے ساتھ تحریر ہیں پیش کی جاتی ہے اس کے بعد دوسرے مشاہیر کا بھی تذکرہ نذر کیا جائے گا۔

اس کتاب کی ترتیب میں نجیب الحسن شہابی سلمہٗ کی معاونت قابل ذکر ہے۔

انتظام اللہ شہابی

۱۵/ ۳/ ۵۷

علامہ فضل حق خیرآبادی

علوم عقلیات کے ماہر ہندوستان کی سرزمین میں ایک سے ایک بڑھ کر پیدا ہوئے۔ بعض کا پایہ مجتہدانہ تھا۔ جیسے ملا محمود صاحب شمس بازغہ ملا محب اللہ بہاری صاحب سلم۔ قاضی مبارک شارح مسلم ملا نظام الدین سہالوی وغیرہ کے اپنے عہد میں مشاہیر حکمائے یونان کے ہم پلہ کہے جا سکتے ہیں۔ آخر زمانے میں علامہ فضل حق منطقی معقولات میں معلم ثانی ابو نصر فارابی اور شیخ الرئیس بو علی سینا کے ہم پایہ تھے ایک عرصہ تک فلسفہ کے رموز و غوامض کا درس دیا اور ہندوستان کے اہلِ علم کو مستفید فرماتے رہے۔ علامہ موصوف کے والد مولانا فضل امام بھی معقولات کے امام تھے۔

نام و نسب علامہ فضل حق بن مولانا فضل امام خیرآبادی بن شیخ ارشد ہنگامی بن شیخ محمد صالح بن ملا عبدالواحد بن ملا عبدالماجد بن قاضی صدرالدین ہرگامی بن قاضی عمادالدین بدایونی بن شیخ ارزانی بن شیخ منور بن خطیرالملک بن حضیرالملک بن سالار رستام بن وجیہ الملک بن بہادالدین بن شیرالملک

بن عطاء الملک بن ابوالفتح بن عمر الحاکم بن ملک عادل بن قارون ابن خیر حسین بن احمد بن محمد بن عبد اللہ بن عثمان بن ہامان بن ہمایوں بن قریش بن سلمان بن عفان بن عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ بن عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ۔

خاندانی حالات

علامہ کے اسلاف میں سے بعض حضرات ایران کے ایک قطعہ تلک پر عرصہ تک حکمران رہے جب زمانے نے کروٹ لی۔ تاج و تخت ہاتھوں سے نکل گیا تو علمی خدمات کو خاندانی شعار بنایا۔ شیر الملک بن عطاء الملک نے حکومت سے دستبرداری کی تھی جن کے صاحبزادے بہاء الدین اور شمس الدین تھے ان ہر دو بزرگوں نے علماء معاصر سے علوم و فنون کی تحصیل کی اور روزگار کی خاطر ترکِ وطن کر کے ہندوستان آئے۔ فضل و کمال کے باعث بہاء الدین کو قبۃ الاسلام بدایوں میں قاضی اور شمس الدین رہتک کے مفتی اعظم مقرر ہوئے مفتی شمس الدین کے صاحبزادے ملا کمال الدین تھے جن کے نامور پوتے شاہ ولی اللہ ابن ملا عبد الرحیم دہلوی ہوئے۔ دوسرے بھائی قاضی بہاء الدین کے صاحبزادہ وجیہ الملک تھے ان کے پوتے شیخ ارزانی بھی قاضی بدایوں رہے انھوں نے اپنے خلف شیخ عماد الدین کو قاضی ہرگام کی خدمت میں تحصیلِ علم

کے لئے بھیجا تھا۔ وہ قاضی اپنے زمانے کا نامی فاضل تھا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں شیخ عماد الدین کو جملہ علوم و فنون سے آگاہ کیا۔ شیخ وجاہت ذاتی اور حسن اخلاق کا مجسم پیکر تھے اس لئے قاضی ہرگام نے خیال کیا کہ اگر خاندان کے اعتبار سے شرافت و نجابت میں اپنے ہم پایہ ہے تو اپنی دختر نیک اختر سے عقد کر دیا جائے اور خانہ داماد لے لیا جائے۔ چنانچہ قاضی صاحب موصوف نے اپنے چند شاگردیوں کو بھیج کر تحقیقات نسب و خاندانی حالات کے بعد اپنی صاحبزادی کا عقد شیخ سے کر دیا۔

قاضی ہرگام دختر خود را بہ قاضی عماد الدین معروف عماد کتخدا کردند۔ و بعد قاضی ہرگام قاضی عماد بہ مسند قضائے ہرگام مامور شد ہماں جا وفات یافت و مدفون گردید[۱]۔

آپ کے خلفا رشد محمد اسمٰعیل تھے جو آپ کے انتقال کے بعد قاضی ہرگام ہوئے ان کے صاحبزادے قاضی صدر الدین المعروف قاضی صدو تھے۔

قاضی صدر الدین عالم متبحر فاضل متدین شیخ سعدی کاکوروی کے نواسے تھے۔ شیخ سعدی کاکوروی کی نسبت منتخب التواریخ میں لکھا ہے

شیخ سعدی از مشائخ عظام است خلافت از پدر بزرگوار

---

[۱] تذکرۃ الانساب للمولوی مصطفےٰ علی خاں گوپاموی (قلمی)۔

شیخ محمد مرحوم داشت و شیخ محمد شرح فارسی بر شاطبیہ نوشتہ قریب ہفتاد جزو و خلف صدقش شیخ سعدی صاحب وجد و حال قوی بود ظاہر و باطن مصفا داشت خوش وقت بود۔"

بختاور خاں عالمگیری لکھتے ہیں:۔

طبع موزوں داشتے در زبان فارسی و ہندی شعر نیکو گفتے (از دست)

قسنعہ چو دیدم بر رخش گفتم کہ یہ کیا ریت ہے
گفتا کہ در ہو باورے اس ملک کی یہ ریت ہے[1]

قاضی صدرالدین کے دو صاحبزادے ملا ابوالواعظ اور ملا عبدالماجد اور دو صاحبزادیاں تھیں۔

ایک صاحبزادی مفتی عبیداللہ[2] ابن مخدوم شیخ عیسٰی محدث صوفی گوپاموی کو اور دوسری صدیقیان قانون گویاں لاہرپور میں منسوب تھیں۔ اس خاندان کے ایک بزرگ روم سے وارد ہند ہوئے اور اودھ میں اقامت پذیر ہو گئے۔ مشہور ہے کہ جن صدیقی صاحب کو دختر قاضی صاحب منسوب تھیں جس وقت ان کی بات آئی تو قاضی صاحب نے حسب ونسب دریافت کیا۔ تذکرۃ الانساب میں منقول ہے کہ

"آن بزرگ گفت کہ من صحیح النسبی صدیقی ہستم۔ زہر اژدہا بمن اثر نمیکند۔ اگر شما بخواہند تجربہ نمایند۔

---

[1] نکات الشعراء صفحہ ۳۔ [2] مفتی عبیداللہ

قاضی گفت کہ ایں دربارگیراں می باشد ایں را اعتبار نیست۔"

صدیقی صاحب بولے جو صورت اعتبار کرنے کی ہو فرمائیے؟ قاضی صاحب بولے روم جائیے اور وہاں کے سلطان اور مفتی اور قاضی سے اپنے نسب نامہ کی تصدیق کرا کے لائیے مجھے اپنی دختر سے عقد کرنے میں عذر نہ ہوگا چنانچہ صدیقی صاحب "بر روم رفتہ نسب نامہ خود بخط کوفی بمواہیر سلطان و قاضی و مفتی و دیگر اکابران روم آورد۔ و قاضی مسطورہ دختر خود را بآن بزرگ کتخدا کرد۔ حالا در فرزندان بزرگ نسب نامۂ مذکور موجود است۔"

ملا ابو الواعظ بن قاضی صدر الدین اساطین علماء وار اکین فضلا سے تھے جمیع علوم میں دستگاہ تھی ہدایہ۔ مطول و ملا جلال پر حاشیے لکھے جو بیحد مقبول ہوئے۔ انہی صاحب کی نسبت منقول ہے کہ "ملا از اوستادان عالمگیر بادشاہ اند و در تالیف فتاویٰ عالمگیری شرکت داشتند۔"[۱]

ملا محب اللہ بہاری صاحب سلم آپ کے درس میں شریک ہونا چاہتے تھے آپ کے پاس وقت نہ تھا لہٰذا یہاں سے جاکر کہاں ہیں

ابن مخدوم شیخ علیسیٰ بن محمد بن احمد بن آدم صدیقی از فرزندان شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی اند۔ (تذکرۃ الانساب) (۱) سیر العلماء مرتبہ حکیم بہاء الدین صدیقی مطبوعہ کانپور ۱۳۴۶ھ ص ۱۰ بحوالہ تذکرہ مولانا فضل امام خیرآبادی۔

ملا قطب الدین انصاری کے شاگرد ہوئے۔ انہی قاضی صاحب کے بھتیجے ملا عبدالواجد بن قاضی عبدالماجد بن قاضی صدرالدین ہرگامی تھے جن کی نسبت مولانا فضل امام بہ ارقام فرماتے ہیں۔

ملا عبدالواجد ہرگامی حلاعلی محرراوراق فاضلے بود متبحر برکافیہ شرح مبسوط و بر تحریر اقلیدس حاشیہ و تعلیقات متفرقہ بر ہدایہ نوشتہ بود چوں در عہد بہادر شاہ اول تمام اسباب آبائی قصبۂ ہرگام بتاراج رفت ..... و دیگر مردم اشرار کتب وغیرہ بآتش دادند ہمہ کتب خانہ سوخت و برباد شد آں مسوداں نماندہ استادی مولوی سید عبدالواجد میفرمودند کہ من خواشتی ملا کہ بر تحریر اقلیدس نوشتہ دیدہ ام بغایت خوب نوشتہ و آں کتاب محشی بحواشی ملا عبدالواجد در گوپامئو در لسبت خانہ ملا قطب الدین بود شاید الحال ہم باشد۔ در ہرگام وفات یافت ہمانجا مدفون شد[1]۔

ملا عبدالواجد کے خلف حافظ محمد صالح عہد محمد شاہ میں منصب پر فائز تھے۔ جاگیر شاہی ملی ہوئی تھی۔ مبارک شارح سلم کے معاصر اور احباب خاص سے تھے تذکرۂ اولیاان کی تصنیف سے ہے ان کے دو صاحبزادے شیخ جعفر ہرگامی اور شیخ محمد ارشد

---

[1] سیرالعلماء ص ۱۸ بحوالہ آمدنامہ و تذکرۃ الانساب

ہرگامی خیرآبادی اور دو صاحبزادیاں تھیں ایک[1] ملا معز الدین بن بہاء الدین بن مفتی عبید اللہ گوپا موی سے بیاہی گئیں، دوسری شیخ خیر الدین خاں[2] فاروقی بن شیخ خیر اللہ العمری گوپا موی از اقربائے نواب والاجاہ محمد علی کو منسوب تھیں۔

شیخ ارشد ہرگامی کی زوجۂ ثانی سے مولانا فضل امام تھے ان کی شادی صدرپور میں ہوئی۔ اسی سے ان کی دو بیٹیاں اور تین بیٹے ہوئے اول مولوی فضل الرحمٰن دوسرے مولوی فضل عظیم تیسرے مولوی فضل حق خیرآبادی۔ مولانا فضل امام کی دو اور بیویوں سے بھی اولاد تھی۔

مولانا فضل امام خیرآبادی نے سید عبد الواجد کرمانی خیرآبادی سے علوم عقلیات ونقلیات کی تحصیل کی اس کے بعد دلی میں صدر الصدوری کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ تذکرہ[3] علماء ہند میں ہے کہ شاگرد رشید مولوی عبد الواجد خیرآبادی بمنصب صدر الصدوری شاہجہاں آباد از سرکار انگریزی عزت و امتیاز داشت۔

"برمیر زاہد رسالہ نوشتہ و در علوم عقلیہ گوئے سبقت

---

[1] ملا معز الدین کے نواسہ مفتی محمد ولی بن محمد امان مفتی بن ابو سعید بن علیم اللہ بن مفتی عبید اللہ گوپا موی ہیں۔ [2] شیخ خیر الدین کے صاحبزادے مولوی مصطفےٰ علی خاں صاحب تذکرۃ الانساب اور پوتے قاضی مجتبیٰ علی خوشدل تھے۔ [3] آثار الصنادید سر سید احمد خاں دہلوی۔

ربودہ آمد نامہ کہ درآں قواعد بیان کردہ ونیز ترجمہ علمائے
جوار لکھنؤ تحریر فرمودہ۔

بس مفید عتبد یان است. سلوک وطریقت میں مولانا شاہ صلاح الدین صفوی گوپاموی کے مرید تھے[1] منطق میں رسالہ مرقات تلخیص الاستفار (۱۲۲۷) نخبۃ السیر بھی ان کی تصانیف ہیں۔ دل سے پٹیالہ چلے گئے وہاں معز زعہدہ پر سرفراز ہوئے۔ ذیقعدہ ۱۲۷۰ھ میں انتقال ہوا۔ مرزا اسداللہ خاں غالب نے قطعۂ تاریخ کہا۔

اے دریغا قدوۂ ارباب فضل
کرد سوئے جنت الماوا خرام

کار آگاہی زہر کار او فتاد	گشت دار الملک معنی بے نظام
چوں ارادت از پے کسب شرف	جست سال فوت آں عالی مقام
چہرۂ ہستی خراشیدم نخست	تا بنائے تخرجہ گرد د تمام

گفتم اندر سایۂ لطف نبی
باد آرامنگہ فضل امام
۱۲۷۰ھ

حکیم امام الدین رہتکی، مفتی صدر الدین خاں آزردہ دہلوی۔ مولوی فضل حق خیرآبادی۔ مولانا فضل عظیم خیرآبادی انکے مشہور شاگرد ہیں۔

---

[1] سیر العلماء صفحہ ۲۲

GHALIB ACADEMY

مولانا فضل حق

مولانا فضل امام کے فرزند مولانا فضل حق ۱۲۱۲ھ میں پیدا ہوئے۔ آٹھ برس کی عمر میں صرف و نحو پڑھنے لگے علوم معقول کی تکمیل باپ سے کی[1]۔ اور علم حدیث مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی سے حاصل کیا ۱۳ برس کی عمر تک فارغ التحصیل ہو گئے۔

مولوی فیض الحسن سہارنپوری مولوی ماجد علی اور مولوی محمد علی خیرآبادی یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ مولوی فضل حق صاحب اور مفتی صدرالدین خاں جس روز خود کتاب لیکر جاتے اس روز شاہ صاحب سبق پڑھاتے اور جس روز کتاب خدمت گار کے ہاتھ بھجواتے اس روز سبق نہ پڑھاتے۔ مولانا فضل حق حدیث پڑھنے جاتے تو ہاتھی پر سوار ہو کر جاتے۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی نے فرمایا کہ مولوی فضل حق اور مفتی صدرالدین کہا کرتے تھے کہ اس خاندان (شاہیہ) کے لوگ علوم دینیہ جیسے حدیث تفسیر فقہ وغیرہ خوب جانتے ہیں مگر معقولات نہیں جانتے۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ جس وقت

---

[1] سیر العلماء بحوالہ آمد نامہ۔

پڑھنے جا رہے تھے ابھی وہ شاہ صاحب تک پہونچے بھی نہ تھے کہ شاہ صاحب نے اپنے خادم کو حکم دیا کہ ایک بوریا مسجد سے باہر ڈال دو۔ اور ایک مسجد کے اندر اور جب فضل حق اور صدرالدین آئیں تو ان کو وہیں بٹھا دینا۔ بوریئے حسب الحکم بچھا دیئے گئے اور جب دونوں آ گئے تو اُن کو وہیں بٹھا دیا گیا۔ جب ان کے آنے کی شاہ صاحب کو اطلاع ہوئی تو شاہ صاحب تشریف لائے اور آکر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ فضل حق اور میاں صدرالدین آج سبق پڑھانے کو تو جی نہیں چاہتا البتہ جی چاہتا ہے کہ کچھ معقولیوں کے خرافات میں گفتگو ہو۔ انھوں نے فرمایا کہ جیسے حضرت کی خوشی ہو۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ متکلمین کا کونسا مسئلہ ایسا ہے جو فلاسفہ کے مقابلہ میں بہت ہی کمزور ہو۔

انھوں نے عرض کیا کہ حضرت متکلمین کے اکثر مسائل کمزور ہی ہیں مگر فلاں مسئلہ بہت ہی کمزور ہے اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ اچھا تم اہلِ فلسفہ اور ہم متکلمین کی طرف سے گفتگو کریں انھوں نے عرض کیا کہ بہت اچھا اب یہ بتاؤ کہ فلسفہ کا کونسا مسئلہ سب سے کمزور ہے۔ اس پر انھوں نے کہا کہ فلاں مسئلہ بہت کمزور ہے اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ تم اچھا اب متکلمین کا پہلو لو اور ہم فلاسفہ کا۔

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور شاہ صاحب نے اب بھی ان کو نہیں چلنے دیا۔ جب ہر طرح مغلوب کر دیا تو شاہ صاحب نے فر[illegible] کہ میاں فضل حق اور صدرالدین تم یہ نہ سمجھو کہ ہم کو معقول نہیں آتی بلکہ ہم نے ان کو واہیات سمجھ کر چھوڑ دیا ہے۔ پھر بھی انھوں نے ہم کو اب تک نہیں چھوڑا۔[1]

حافظہ حافظہ ایسا قوی رکھتے تھے کہ چار ماہ میں کلام مجی[د] حفظ کر لیا۔[2]

فارغ التحصیل ہونے کے بعد والد کے ارشاد پر طلبا کو در[س] دینے لگے جس قدر آپ کے والد ماجد کی خدمت میں طلبار حاضر رہتے تھے ان سب کو علامہ ہی سبق دیا کرتے تھے۔ مولانا سید غوث علی شاہ پانی پتی سے منقول ہے کہ مولوی فضل امام نے ایک طالب علم سے فرمایا کہ میاں جاؤ فضل حق سے سبق پڑھ لو وہ آیا۔ غریب آدمی، بدصورت بڑی عمر کا۔ کم علم کند ذہن تھ[ا] یہ نازک طبع ناز پرور جمال صورت و معنی سے آراستہ چودہ برس کا سن وسال ہمہ فضیلت۔ ذہن میں جودت بھلا میل ملے تو کیسے ملے۔ صحبت راس آئے تو کیونکر آئے۔ تھوڑا سبق پڑھایا تھا کہ بگڑ گئے۔ اس کی کتاب پھینک دی۔ برا بھلا کہا اور نکال دیا۔

---

[1] امیر الروایات ص ۳۹ [2] سیر العلما ص ۲۲

وہ روتا ہوا مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا حال بیان کیا، فرمایا بلاؤ اُس خبیث کو۔ مولوی فضل حق صاحب آئے دست بستہ کھڑے ہو گئے۔ مولانا نے ایک تھپڑ دیا ایسے زور سے کہ ان کی دستارِ فضیلت دُور جا پڑی پھر فرمانے لگے کہ تو تمام عمر بسم اللہ کے گنبد میں رہا۔ ناز و نعم میں پرورش پائی۔ جس کے سامنے کتاب رکھی اُس نے خاطرداری سے پڑھایا۔ طالب علموں کی قدر و منزلت کو تو کیا جانے؟ اگر مسافت کرتا، بھیک مانگتا اور طالب علم بنتا تو حقیقت معلوم ہوتی۔ طالب علم کی قدر ہم سے پوچھ۔

درازیٔ شب از مژگاں من پرس
کہ یکدم خواب در چشمم نگشت است

خبردار تم جانوگے اگر آئندہ ہمارے طالب علموں سے کچھ کہا۔ یہ چپ کھڑے روتے رہے کچھ دم نہ مارا آخیر غصہ رفع دفع ہوا لیکن پھر مولانا فضل حق نے کبھی کسی طالب علم سے کچھ نہیں کہا۔[۱] بلکہ طلبار کو بڑی دلجوئی سے پڑھایا کرتے تھے۔ سرکاری ملازمت میں منسلک ہونے پر بھی شغل درس قائم رکھا "حیات طیبات" میں تحریر ہے کہ :-

---

[۱] تذکرۂ غوثیہ از مولانا گل حسن شاہ پانی پتی۔

"مولانا اپنی عالی دماغی جودت طبع اور علوم عربی میں قابلیتِ تامہ رکھتے تھے۔ تعریف کے قابل یہ بات تھی کہ درسی کتابیں ریاضی و منطق ذہنیت کی ایسی ازبر تھیں کہ طالبِ علموں کو پڑھاتے تو اطمینان کر دیتے تھے۔

(صفحہ ۱۵)

ملازمت

دہلی میں جب انگریزی حکومت قائم ہوئی تو علماء و ثقات کا عام مسلک یہ رہا کہ انگریزی ملازمت سے اجتناب کیا جائے لیکن پھر آہستہ آہستہ نرم پڑتے گئے۔ چنانچہ دہلی کے کئی خاندانی آدمیوں نے انگریزی ملازمت اختیار کر لی تھی اور شاہ عبدالعزیز کا مولوی عبدالحئی اپنے خویش کو ملازمت میرٹھ کی اجازت دے دینا اس دروازہ کی آخری بندش کا ٹوٹنا تھا۔ البتہ خانقاہ والوں کا مسلک ۱۸۵۷ء تک یہی رہا کہ وہ انگریزی حکومت کے نوکروں سے کسی طرح کا نذرانہ یا تحفہ قبول نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ان کا وسیلۂ معیشت مشتبہ ہے۔ سر سید احمد خاں مرحوم بھی خانقاہ کے مریدوں میں سے تھے اور شاہ غلام علی سے بڑی عقیدت رکھتے تھے انھوں نے جب انگریزی نوکری

کر لی اور اس کے بعد ملنے گئے نیز حسب معمول نذر دیے گئے تو خانقاہ کے تمام مشائخ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

انگریزوں کو اس بات کی بڑی خواہش و جستجو رہتی تھی کہ مسلمانوں کے خاندانی اور ذی وجاہت اشخاص افتاء و صدارت کے مناصب قبول کر لیں تاکہ شمالی ہند میں انگریزی حکومت عوام میں مقبول ہو سکے۔ ہندوستانیوں کے لئے بڑے سے بڑا عہدہ صدر الصدور عدالت کا تھا۔ اس لئے اکابر و افاضل کو یہی پیش کیا جا سکتا تھا۔ دہلی چونکہ قدیم دار السلطنت اور اسلامی تہذیب کا مرکز تھا۔ اس لئے یہاں کی صدارت کے لئے خصوصیت سے اہتمام کیا جاتا تھا۔ چنانچہ مولانا فضل حق کے والد مولانا فضل امام صدر الصدور بنائے گئے۔ ان کے بعد ان کے شاگرد رشید مفتی صدر الدین خاں آزردہ صدر الصدور دہلی مقرر ہوئے ان کے متعلق ریذیڈنٹ بادشاہ اکبر شاہ ثانی سے بھی مشورہ لیا کرتے ایسے ہی سر رشتہ داری پر مولانا فضل حق مقرر کئے گئے تھے آخر میں یہ بھی لکھنؤ میں حکومت کی طرف سے صدر الصدور کر دیے گئے۔

جس زمانے تک مولانا فضل حق خیرآبادی دہلی میں تھے، وہ دور علمی تھا ایک طرف حدیث فقہ کے چرچے دوسری طرف شعر و سخن کا دور دورہ، بڑے بڑے کہنہ مشق شاعر مولوی امام بخش

صہبائی، علامہ عبد اللہ خاں علوی، حکیم مومن خاں مومن، مفتی صدر الدین خاں آزردہ، مرزا اسد اللہ خاں غالب، نواب ضیاء الدین خاں نیر۔ شاہ نصیر الدین نصیر، شیخ محمد ابراہیم ذوق حکیم آغا جان عیش، حافظ عبد الرحمن خاں احسان، میر حسن تسکین اور خدا جانے کتنے باکمالوں کا جمگھٹا تھا۔ جب یہ لوگ ایک جگہ جمع ہوتے ہونگے تو آسمان کو بھی اُن پر رشک آتا ہو گا۔ مولانا فضل حق کو بزرگوں کے وطن کے لحاظ سے خیر آبادی کہہ لو مگر حقیقت میں اُن کا بچپن جوانی اور بڑھاپا سب دہلی میں گذرا تھا یہ اور مفتی صدر الدین خاں ہم سبق اور دوستی کے لحاظ سے یک جان دو قالب تھے۔ جب مرزا غالب دہلی میں آن رہے تو اُن سے بھی رسم پیدا ہوئی اور رفتہ رفتہ بڑھ گئی یہاں تک کہ مرزا اُن کو اپنا مخلص یار بے ریا سمجھنے لگے[1]۔

دیوانِ غالب

دیوان غالب جو آج اہلِ علم میں قدر مقبولیت حاصل کئے ہوئے ہے یہ مولانا کی توجہ کا نتیجہ ہے۔ محمد حسین آزاد آبِ حیات میں لکھتے ہیں کہ مولوی فضل حق صاحب فاضل بے عدیل تھے۔ ایک زمانہ میں دہلی کی عدالت میں سر رشتہ دار تھے۔ اس عہد میں مرزا خاں کوتوال جو

---

[1] گل رعنا

مرزا قتیل کے شاگرد تھے نظم ونثر خاصی اچھی لکھتے تھے۔ غرض کہ یہ دونوں باکمال مرزا صاحب کے دلی دوست۔ ہمیشہ باہم دوستانہ جلسہ اور شعر و سخن کے چرچے رہتے تھے۔ انھوں نے اکثر غزلوں کو سُنا اور دیوان کو دیکھا تو مرزا صاحب کو سمجھایا کہ یہ اشعار عام لوگوں کی سمجھ میں نہ آئیں گے۔ مرزا نے کہا جو کچھ کرچکا اب تدارک کیا ہوسکتا ہے انھوں نے کہا کہ خیر ہوا سو ہوا، انتخاب کرلو اور مشکل شعر نکال ڈالو۔ مرزا صاحب نے دیوان حوالے کردیا۔ دونوں صاحبوں نے دیکھ کر انتخاب کیا وہ یہی دیوان ہے جو آج لوگ عینک کی طرح آنکھوں سے لگائے پھرتے ہیں[1]۔ یادگار غالب میں مولانا حالی نے اس کا اظہار اس طرح کیا ہے کہ مولوی فضل حق کی تحریک سے اُنھوں نے اپنے اردو کلام میں جو اس وقت موجود تھا۔ دو ثلث کے قریب نکال ڈالا اور اس کے بعد اس روش پر چلنا بالکل چھوڑ دیا[2]۔

علمی دربار

مولانا کا علمی دربار روزانہ ہوتا تھا جب تک دلی میں

---

[1] آبِ حیات صفحہ ۵۲۱ [2] یادگارِ غالب صفحہ ۱۰۲

رہے اہلِ علم حضرات کی نشست تھی ایک مولانا کے یہاں دوسری مفتی صدرالدین آزردہ کے یہاں۔ مولانا کے یہاں آٹھویں روز شعرائے دہلی مجتمع ہوا کرتے۔

مرزا غالب، صہبائی، مومن، آزردہ، احسان، نثار، شیفتہ، ضمیر، ممنون، نصیر وغیرہ۔ علماء میں مولوی عبداللہ خاں علوی۔ مولوی عبدالخالق، مولوی محبوب علی۔ مولوی نصیرالدین شافعی۔ مولوی کریم اللہ۔ مولوی محمد نورالحسن۔ مولوی محمد جان۔ مولوی محمد رستم علی خاں۔ مولوی کرامت علی، مولوی مملوک علی۔ مفتی سید رحمت علی خاں۔ مولوی امان علی۔ مولوی محمد جان۔

امام الدین خاں خوش نویس۔ غلام علی خاں مصوّر، ہمت خاں گویا۔ راگ رس خاں گویا۔ مولوی شاہ حنیف۔ شاہ فدا حسین۔ سید عسکری۔ حکیم غلام نجف خاں۔ حکیم صادق علی خاں۔ حکیم نصراللہ خاں۔ یہ حضرات روزمرہ کے آنے جانے والے تھے۔

مناظرہ

مولانا محمد اسمٰعیل شہید نے آوازِ اصلاح بدعت و محدثات بلند کی۔ شاہ اسمٰعیل ۱۱۹۳ھ میں پیدا ہوئے اپنے والد مولوی عبدالغنی ابن مولانا ولی اللہ شاہ عمری کے شاگرد تھے اور چچا

شاہ عبدالقادر سے علوم درسیہ کی تکمیل کی تھی۔ کم عمری میں فارغ التحصیل ہوئے۔ صاحب ریاضت و مجاہد تھے قوم کی بگڑی ہوئی حالت سے اثر پذیر ہوئے۔ اور اصلاح کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ وعظ و تذکیر کا سلسلہ شروع کیا پہلا وعظ توحید کے متعلق تھا جو دہلی کی جامع مسجد میں کہا، جس میں آپ نے بدعات و محدثات کے ساتھ حقیقی اسلامی توحید کا نقشہ پیش کیا۔ یہ دہلی والوں کے لئے گویا نئی بات تھی لوگ بھڑک اُٹھے مگر سلسلۂ وعظ قائم رہا۔ آگے چل کر شاہ صاحب نے جہاد باللسان کی بجائے جہاد بالسیف کا وعظ شروع کر دیا مگر علماء دہلی برافروختہ ہوئے اور علامہ فضل حق کو بھی یہ انداز ناگوار گزرا علامہ خود بھی بدعتی کہلاتے تھے شاہ اسمٰعیل کی آزاد خیالی سے چراغ پا ہو گئے، بحث و مباحثہ کی ٹھنی۔ کسی نے رزیڈنٹ کے ذریعہ اکبر شاہ ثانی بادشاہ دلی سے جا لگائی۔ بادشاہ نے حضرت شہید کو طلبیٔ دربار کا حکم بھیجا۔ یہ روانہ ہوئے اور دربار میں پہونچے تمام مروجہ آداب دربار کو پسِ پشت ڈال کر بادشاہ کو عام مسلمانوں کی حیثیت میں السلام علیکم کیا۔ بادشاہ نے بھی بے حد گرم جوشی سے سلام کا جواب دیا۔

اس کے بعد ہی شاہ صاحب نے سردرِ کونین ﷺ کے

کے فضائل بیان کیے چونکہ جامع مسجد دہلی کے تبرکات نبوی کے خلاف شاہ صاحب نے آواز بلند کی تھی کہ ان کی کوئی سند نہیں ہے، بادشاہ نے ان تبرّکات کے متعلق شاہ صاحب سے دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو آپ کے یہ خیالات ہیں مگر آپ تبرّکات نبیؐ کے خلاف کچھ کہتے سنتے ہیں اور ان کی ہماری طرح تعظیم بھی نہیں کرتے شاہ صاحب بولے کہ میں ان کو اصلی تبرّکات ہی نہیں سمجھتا یہ سب فرضی ہیں۔ اکبر شاہ کہنے لگے افسوس ہے شاہ جی تم ان تبرّکات کی عزّت کرنے کی بجائے بے حرمتی پر تلے ہوئے ہو۔ شاہ صاحب نے اکبر کی بات سن کر کہا کہ اگر یہ تبرّکات اصلی ہوتے تو آپ خود ان کی زیارت کے لئے سر کے بل جاتے یہ نہیں ہوتا کہ حضور کی بیٹھی میں لائے جاتے ہیں کیا یہی تبرّکات کا احترام ہے جو آپ کی جانب سے برتا جاتا ہے۔

یہ سن کر بادشاہ بے حد نادم ہوئے اور منفعل ہو کر ہاتھ سے سنہرے کنگن اُتار کر شاہ صاحب کی نذر کرنے لگے۔ شاہ صاحب نے جواب دیا کہ جناب من یہ میرا حق نہیں ہے غربا و مساکین کا حق ہے انہی میں تقسیم کر دیجئے۔ مولویوں نے دیکھا کہ یہ وار خالی گیا اُدھر دن بدن حضرت شہید کا زور بندھتا

جارہا تھا شرک و بدعت کے متعلق وعظ جو کہے گئے تہلکہ سا مچ گیا۔ شیخ سدو کا بکرا۔ تعزیہ، علم، براق، نعل صاحب شیر خدا، بی بی کی سمنک جملہ مشرکانہ رسوم مروجہ تھیں کمی آنے لگی پیروں نے جال قبر پرستی کا بچھا رکھا تھا۔ مجاہدہ وریاضت کی جو خانقاہیں تھیں ان میں شاہ صاحبان چنڈو اور بھنگ پیتے اور چرس کے دم لگاتے مگر خوش اعتقادی کا بُرا ہو کہ لوگ اُس فقیر کو صاحبِ کشف وکرامات سمجھتے اور اس کے ہی گرویدہ رہتے تھے۔ حضرت شہید نے ان بناوٹی پیروں کی خوب خبر لی مذہبی اصلاح کی ضمن میں عقد بیوگان کا سلسلہ گھر سے شروع کیا۔ اپنی بیوہ بہن جس کو ترجمۂ مشکوٰۃ پڑھاتے ہیں پہلے وہ باب جس میں عقد بیوگان کے متعلق حدیث ہے نہیں پڑھاتے تھے۔ سب سے پہلے انھیں بیوہ بہن کا عقد کر دیا۔ جو مسائل کے ضروریات دین میں شمار کئے جاتے تھے اور جن پر مداومت ومواظبت کرنا اہلِ اسلام کا فرض تھا اور علمائے وقت کی سستی وکاہلی کی وجہ سے عوام تو الگ رہے خواص کے بھی گوشِ وہم تک نہ پہونچے تھے۔ شاہ صاحب کی سعی سے سب پر کھل گئے اور اب شرک وبدعت کی بنیادیں متزلزل ہوکر ڈھے پڑیں اور اعلام سنت کا آوازہ ہر وضیع وشریف

کے کان تک پہونچ گیا۔ جن صاحبوں کے ساتھ خاص و عام کی ارادت کا سررشتہ اور سلسلہ اعتقاد مضبوط تھا اُن کو سخت خلجان پیدا ہوا اور دُنیا طلب مولویوں کے گروہ میں اس وجہ سے ہلچل پڑا اور مخالفت میں آمادہ ہوگئے انھیں خیال ہوا کہ اگر مسائل فقہ عوام کے کان تک پہونچ گئے تو رفتہ رفتہ ہماری روزی کی عمارتیں ڈھا دی جائیں گی، جہلا ہمارے قبضہ میں نہ آئیں گے اور وہ بات بات میں بحث کرنے کو تیار ہو جائیں گے۔ اس بیہودہ خیال نے ان کے دلوں میں ایک آگ مشتعل کر دی۔ علاوہ کفر کے فتوے چھاپنے کے شاہ صاحب کے خلاف حکومت کے دروازے کھٹکھٹائے بادشاہ کچھ نہ کر سکا تو ایک محضر تیار کیا گیا۔ جس پر ڈیڑھ ہزار دستخط تھے رزیڈنٹ کے پاس بھیجا گیا۔ اس کے ہی محکمہ میں مولانا فضل حق سررشتہ دار تھے اور ہر انگریز حاکم انکے علم و فضل کی وجہ سے اور زیادہ ان کا لحاظ کرتا تھا۔ غرض مولانا کی تائید کے ساتھ محضر رزیڈنٹ کے سامنے پیش کیا شکایت تھی کہ اگر مولانا محمد اسمٰعیل وعظ کہتے رہے تو تمام شہر میں فتنہ برپا ہو جائے گا۔ چنانچہ رزیڈنٹ نے شاہ صاحب کا وعظ کہنا روک دیا۔ شاہ صاحب نے اس حکم پر تنقید کی اور اپنے عذرات لکھ رزیڈنٹ کے پاس بھیج دیئے، اس تحریر کو دیکھ کر رزیڈنٹ اس درجہ قائل ہوا کہ

اس نے اپنا حکم بندش واپس لے لیا۔

اَب مولانا فضل حق نے جو فلسفی اور علم الکلام کے ماہر تھے قلم ہاتھ میں لیا، مناظرے کا بازار گرم ہوا جس کا سلسلہ برسوں جاری رہا۔

اِمکان نظیر کا مسئلہ رفیع یدین اور آمین بالجہر کی بحثیں شروع ہوگئیں۔ شاہ صاحب بھی علم و فضل میں علامہ سے ہیٹے نہ تھے بخوشی بحث و مباحثہ کے لیے آمادہ ہوگئے۔ فقہی مسئلہ بیان کرتے تھے تو ہر مسئلہ کو آیات و حدیث کے ساتھ مستند ہوگئے اور وہ مسائل بیان کرتے تھے کہ بڑے بڑے فقیہ سُن کر دنگ رہ جاتے تھے معقول پر بھی یدِ طولیٰ رکھتے تھے بلکہ معقول کی اکثر کتابوں میں نہایت وزنی حواشی بھی خود چڑھائے ہیں ایک رسالہ منطق پر لکھا اس میں شکل اوّل کے بعد الطبائع اور شکل رابعہ کے بعد بدیہی الانتاج ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور اس کے دلائل اس وقت کے ساتھ بیان کیئے کہ بلامبالغہ اگر معلم اول (ارسطو) موجود ہوتا تو اپنی دلائل اس دقّت کو کمزور سمجھتا۔ مولانا شہید اور علامہ سے تحریری مناظرے ہوا کرتے تھے۔ شہید کے پاس علامہ کی تحریر پہونچی اسی وقت جواب لکھ ڈالا ایسا بھی ہوا ہے کہ شہید شغل تیراکی میں ہوتے اور علامہ نے تحریر بھیجی ہے، وہیں قلم دوات اور کاغذ منگایا اور جواب لکھوا دیا۔ ایک روز علامہ کی تحریر پہونچی جناب شہید کسی

ایسے کام میں لگ گئے تھے کہ جواب نہ لکھ سکے آدمی واپس آیا۔ اتفاق سے اس وقت حکیم مومن خاں دہلوی اور علامہ شطرنج کھیل رہے تھے علامہ نے آدمی سے دریافت کیا میاں شاہ اسمٰعیل سے جواب لے آئے۔ اس نے کہا ابھی جواب نہیں لکھا تھا کہ میں چلا آیا۔ ڈاکٹر الہام اللہ فرماتے تھے کہ بات مولانا اسمٰعیل کے طرز اور طریقہ کے بالکل خلاف تھی اس وجہ سے علامہ فضل حق سمجھے کہ مولانا عاجز ہو گئے جواب نہ بن پڑا کہنے لگے وہ بس دے لیا جواب یہ بات حکیم مومن خاں کو ناگوار گزری وہ بولے مولانا وہ بات ہی کیا ہے جس کا جواب مولانا اسمٰعیل نہ دے سکے۔ اس پر دونوں میں خوب بحث رہی حکیم صاحب کا پلہ بھاری رہا۔ مگر دونوں کے مزاج میں تکدر آ گیا۔ حکیم صاحب نے یہ رنگ دیکھ کر بساط شطرنج ملے کی اور چلتے ہوئے یہ شعر پڑھا ؎

لے نام آرزو کا تو دل سے نکال دیں
مومن نہ ہوں جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم

مولانا فضل حق کا تخلص آرزو تھا۔ انھوں نے دیکھا بات ہی بات میں دوست ہی چھوٹ رہا ہے پیچھے پیچھے حکیم مومن خاں کے گھر گئے اور انھیں سمجھا بجھا کر منا لیا۔ مومن نے اس غزل میں یہ مطلع اضافہ کیا کہ:

ٹھانی تھی دل میں اب نہ ملیں گے کسی سے ہم
پر کیا کریں کہ ہو گئے ناچار جی سے ہم

مرزا غالبؔ بھی علاّمہ فضلِ حق کے دوست تھے۔ یہ شاعر انھیں مذہبی بحثوں سے کیا واسطہ؟ مگر علاّمہ نے اُن سے وعدہ لیا کہ تم بھی لگے ہاتھوں ثواب لوٹ لو اور نہایت اصرار کے ساتھ فرمائش کی کہ فارسی میں وہابیوں کے خلاف ایک مثنوی لکھو، جس میں ان کے بڑے بڑے اور مشہور عقیدوں کی تردید اور خاص کر مولانا اسمٰعیل کو مخاطب کر کے تنازعِ نظیرِ خاتم النبیین کے مسئلہ کو زیادہ شرح و بسط کے ساتھ بیان کرو، یہ پورا قصہ یادگارِ غالبؔ میں منقول اور کافی مشہور ہے۔

شطرنج کا شوق

علاّمہ کو شطرنج کا بے حد شوق تھا اور حکیم مومنؔ خاں سے بازی رہتی تھی مومنؔ خاں کھیل میں غالب رہا کرتے۔ مرزا غالبؔ نے علاّمہ سے کہا کہ آپ اس قدر تیز طبع اور ذہین ہیں پھر کیا بات ہے کہ مومن خاں سے مات کھا جاتے ہیں۔ علاّمہ بولے کہ میرا بڑھاپا ہے اور مومنؔ کو خود اپنی قوت کی خبر نہیں۔ وہ عشق عاشقی کے قصوں میں پھنس گیا اگر علمی مشغلہ میں پڑتا اس وقت اس کے

ذہن کی حقیقت معلوم ہوتی فی الحقیقت بڑا ذہین شخص ہے۔
جیساکہ بیان ہوا علامہ رزیڈنٹ کے یہاں عدالت میں سررشتہ دار ہو گئے تھے پھر کمشنری میں تبدیل ہوئے نازک مزاج واقع ہوئے تھے تنگ نظر انگریز حکام سے نہ بن سکی۔ لہٰذا استعفا دیا نواب فیض محمد خاں رئیس جھجر نے پانسو روپیہ ماہوار مصارف کے لئے پیش کیا اور قدر دانی کے ساتھ اپنے پاس بلایا۔ دہلی سے روانگی کے وقت ولی عہد سلطنت صاحب عالم مرزا ابو ظفر بہادر شاہ نے اپنا دوشالہ علامہ کو اوڑھا دیا اور بوقت رخصت آبدیدہ ہو کر کہا چونکہ آپ جانے کے لئے تیار ہیں میرے لئے بجز اس کے کوئی چارۂ کار نہیں کہ میں بھی اس کو منظور کر لوں مگر خدا علیم ہے کہ لفظ وداع دل سے زبان پر لانا دشوار ہے[۵]۔
نواب فیض محمد خاں کی دعوت پر جھجر تشریف لے جانے سے مرزا غالب اور اہل دہلی کو بے حد قلق تھا۔ مرزا صاحب نے مولوی سراج الدین احمد کے نام ایک مکتوب میں یہ تمام واقعہ لکھ کر خواہش کی ہے کہ اس کو اخبار آئینہ سکندری میں شائع کریں۔
اس مکتوب میں مولانا کی علمی منزلت کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:۔
"ہفتہ مبارکہ بے تمیزی و قدر نشناسی حکامِ رنگ

---

۵ آب حیات صفحہ ۴۸۱

آں ریختت کرنا فاضل بے نظیر و یگانہ مولوی محمد فضل حق از سر رشتہ داری عدالت دہلی استعفیٰ کردہ خود را از ننگ و عار و الا رہانند۔ حقا کہ اگر پایہ علم و فضل و دانش و کنش مولوی فضل حق آں پایہ کہ اگر از صد یک و الا ماند و باز آں تہ پایہ را بسر رشتہ داری عدالت دیوانی سنجند ہنوز ایں عہدہ دوں مرتبہ وے خواہد بود۔

چو خود را جلوہ سنج ناز خواہم
ہم از حق فضل حق را باز خواہم [1]

دہلی کے بعد

ایک عرصہ تک نواب صاحب جھجر کے پاس رہے۔ پھر مہاراجہ سنودان سنگھ بہادر والیٔ راج الور نے بلا لیا۔ کچھ عرصہ سہارنپور بھی رہے پھر ٹونک نواب مزیر الدولہ کے پاس چلے گئے آخیر میں لکھنؤ میں صدر الصدور کے عہدہ پر سرفراز ہوگئے۔ منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی انتخاب یادگار میں لکھتے ہیں:-

"اس دار الریاست رامپور میں پہلے محکمۂ نظامت اور پھر

---

[1] کلیات نثر غالب صفحہ ۱۴۷

مرافعہ عدالتوں پر مامور رہے ، تھے۔ جناب مستطاب نواب محمد یوسف علی خاں بہادر فردوس مکان انار اللہ برہانہم کو بھی آپ سے تلمذ رہا ہے اور بندگان حضور پرنور دام ملکہم واقبالہم نے بھی کچھ پڑھا۔ آٹھ برس بہت اعزاز واکرام کے ساتھ رہے اور پھر وہاں سے تشریف لے گئے۔"

رام پور کے قیام میں ہدیہ سعیدیہ نواب سعید خاں بہادر کے نام معنون کی جو نواب فردوس مکان کے لئے لکھی تھی۔

مولوی رحمن علی خاں تذکرہ علمائے ہند میں اپنا مشاہدہ لکھتے ہیں کہ میں نے ۱۲۶۴ھ میں بمقام لکھنؤ مولانا کو دیکھا کہ حقہ نوشی کی حالت میں شطرنج بھی کھیلتے جاتے تھے اور ایک طالب علم کو اُفق المبین کا درس اس خوبی سے دیتے تھے کہ مضامین کتاب طالب علم کے ذہن نشین ہو جاتے تھے۔

خان بہادر مفتی انعام اللہ شہابی گوپاموی متوفی ۱۲۷۴ھ اپنی کتاب خزینۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں " برادرم مولوی فضل حق خیرآبادی از فحول علمائے زماں و یگانہ دوراں است خصوصاً در علوم عقلیہ گوئے سبقت ربودہ۔ بو نور علم و دانش در اطراف و اکناف عالم بغایت دریں وقت مشہور است۔"

مولوی اکرام اللہ شہابی گوپاموی نے شمس العلماء مولانا عبدالحق سے پوچھا بھائی صاحب دنیا میں حکیم کا اطلاق کن کن پر ہے

مولانا کہنے لگے بھیا ساڑھے تین حکیم دُنیا میں ہیں۔ ایک معلّم اوّل ارسطو دوسرے معلّم ثانی (ابونصر فارابی)۔ تیسرے والد ماجد (مولانا فضل حق) اور نصف بندہ[۱]

سر سیّد احمد خاں مرحوم آثار الصنادید میں لکھتے ہیں :۔

"مستجمع کمالات صوری و معنوی جامع فضائل ظاہری و باطنی۔ بنا فضل و افضال بہار آرائے چمنستان کمال مبطل باطل و محقق حق مولانا محمد فضل حق جمیع علوم و فنون میں یکتائے روزگار ہیں اور منطق و حکمت کی تو گویا انھیں کے فکرِ عالی نے بنا ڈالی ہے۔ علمائے عہد میں فضلائے دہر کو کیا طاقت ہے کہ اس سرگروہ اہلِ کمال کے حضور میں بساط مناظرہ آراستہ کر سکیں۔ بار بار دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو یگانۂ فن سمجھتے تھے جب ان کی زبان سے ایک حرف سُنا دعویٰ کمال کو فراموش کر کر نسبت شاگردی کو اپنا فخر سمجھے یا انھیں کمالات علم و ادب میں ایسا علم سرفرازی بلند کیا ہے کہ فصاحت کے واسطے ان کی عبارت شستہ نخر عروج معارج ہے اور بلاغت کے واسطے ان کی طبع رسا دست آویز۔ بلندیٔ مدارج ہے۔

---

[۱] ذکر علماء مولوی اکرام اللہ شہابی (قلمی)

سحبان کو ان کی فصاحت سے سرمایۂ خوش بیان اور
امرار لقیس کو ان کے افکار بلند سے دستگاہ عروج معانی
الفاظ پاکیزہ ان کے رشک گوہر خوش آب اور معانی
رنگیں اس کے غیرت لعل ناب ہیں۔[1]"

غرضکہ مولانا اپنے زمانہ میں ایک فخر روزگار فاضل اور
فلسفی تھے آپ کی جودت طبع رسائی ذہن بلند خیالی دقیق النظری
بے نظیر تھی۔

ادبی کمالات

فضل وکمال اور علمی حیثیت سے علامہ جیسی قدر و منزلت
کا شخص تھا اس کی نظیر مشکل سے ملے گی، علوم معقول کے تو مجتہد
اور امام تھے ہی مگر علم ادب جو عربیت کا بڑا جوہر ہے اس میں
وہ کمال حاصل تھا جسے آج تک ماہرین فن تسلیم کرتے چلے آتے
ہیں نثر ایسی لکھتے تھے جس کی مثال علمائے ہند میں ملنا مشکل ہے
شاعری کی طرف متوجہ ہوئے تو عرب کے متاخر شعراء میں سبقت
لے گئے۔ قدمائے عرب کے کلام سے نتائج فکر کسی طرح خیالات

لہ تذکرہ اہل دہلی ص ۸۶

وجذبات میں کم نہیں۔ علامہ کو عربی نظم پر بڑی قدرت حاصل تھی۔ عروض وعلم شعر میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ چار ہزار سے زیادہ اشعار کہے۔

آپ کے کلام کا بڑا ذخیرہ مولوی سبحان اللہ خاں گورکھپوری کے کتاب خانہ میں منتقل ہوگیا جواب لیٹن لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڈھ میں ہے، کچھ بیاضیں مولوی ولایت حسین لاہرپوری کے کتب خانہ میں ہیں۔ راقم سطور کے کتب خانہ مفتیان گوپامئو میں بھی علامہ کے دستی مسودے موجود ہیں۔

مولانا غوث علی شاہ قلندر پانی پتی فرماتے ہیں کہ علامہ نے ایک قصیدہ عربی میں امراء القیس کے ایک قصیدہ کی طرز پر لکھا۔ اور مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی کو سنانے کے لئے لے گئے۔ شاہ صاحب نے ایک مقام پر اعتراض کیا اس کے جواب میں انھوں نے بیس شعر متقدمین کے پڑھ دیے۔ مولوی فضل امام بھی اس وقت وہاں موجود تھے وہ فرمانے لگے کہ بس حد ادب، علامہ نے جواب دیا کہ حضرت یہ کوئی علم تفسیر وحدیث تو ہے نہیں۔ فن شاعری ہے اس میں بے ادبی کی کیا بات ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ برخوردار تم سچ کہتے ہو مجھ کو سہو ہوا[1]۔

---

[1] تذکرہ غوثیہ

دوست نوازی

مولانا کا خاص وصف یہ تھا کہ اپنے دوست واحباب واعزا کو حتی المقدور نفع پہونچانے میں نئی نئی صورتیں نکالتے تھے مکاتیب غالب میں مولانا امتیاز علی خاں عرشی رامپوری نے یہ تفصیل لکھی ہے کہ جن دنوں مولانا فضل حق خیرآبادی رامپور میں فروکش تھے انھوں نے حق دوستی ادا کرنے کے خیال سے وقتاً فوقتاً سرکار (نواب یوسف علی خاں) کے روبرو مرزا (غالب) کی اس قدر تعریف و توصیف کی کہ سرکار والا جاہ ان کے کلام کے مشتاق ہوگئے۔ حالات سازگار پاکر مولانا نے مرزا صاحب کو لکھا کہ سرکار کی خدمت کے لئے کمر بستہ ہوجائیے اور اصلاح اشعار کا کام سرانجام دیجئے۔ مولانا کا نامہ گرامی مرزا صاحب کو ۲۷ر جنوری ۱۸۵۷ء کو موصول ہوا۔ ۲۸ر جنوری کو انھوں نے بہ تعمیل ارشاد نواب فردوس مکان کی خدمت میں پہلا عریضہ ارسال کیا اس کے جواب میں سرکار نے ۵ر فروری کو اپنے کچھ اشعار بغرض اصلاح بھیجے اور ان کے ساتھ تحریر فرمایا:

"نمیقہ انیقہ بلاغت آگیں مشعر رسید خط مولوی صاحب مخدوم مولوی فضل حق صاحب با دیگر مراتب محبت و اشفاق بعبارت رنگیں و دقیق درعین

انتظار سرمہ کش عیون وصول نشاط شمول گردیدہ باطلاع خبرِ بہا سرمایہ سرورِ نامحصور افزودہ از مزید شفقت و ایتلاف قلبی متصور شد۔"

اس فرمان سے مرزا صاحب میں نیا ولولہ پیدا ہوا اور انھوں نے ۱۱ر فروری کو سرکار "رامپور" کی مدح میں قصیدہ نظم کرکے بذریعہ ڈاک ارسال کیا، اس کی ایک نقل مرزا صاحب نے مولانا کی خدمت میں بھی بھیجی تھی جو اُنھیں الور میں موصول ہوئی۔ وہاں سے ۱۰ر اپریل کو مولانا نے سرکار رام پور کو تحریر فرمایا:

" بعرض می رساند کہ خیر سگال یا فضال ایزد بیہال بصحت و اعتدال با لور رسیدہ ملاطفۂ مرزا صاحب مشفق نجم الدولہ مرزا اسداللہ خاں صاحب متخلص بہ غالب مع قصیدۂ میمیہ[1] کہ در مدح حضور پُرنور فیض معمور منظوم کردہ انداز ڈاک خانہ یافت۔ مرزا صاحب موصوف در ثنا و ستائش موزونی طبع اقدس و توصیف غزلہائے کہ نزد شاں شرف ارسال یافتہ بودند و شکرد

---

[1] اس قصیدۂ میمیہ کے ۱۲۱ اشعار ہیں، مطلع یہ ہے۔

ہمانا اگر گوہر جاں فرستم
بہ نواب یوسف علی خاں فرستم

سپاس عطائی مبلغ پانصد روپیہ کہ بدو دفعہ بمرزا صاحب موصوف عنایت شدند اسباب در تحریر فرمودہ اند حالانکہ طبع اقدس در علوم عقلیہ و فنون حکمیہ آں چناں دقیقہ رس کہ عدیل آں در مملکت ہندوستان کہ حال علمائے آں تفصیلاً معلوم است کمتر بلکہ معدوم است۔ نظم و شعر فہم آں و ابداع معانی تازہ و مضامین مبتکرہ و الفاظ فصیحہ و تراکیب بلیغہ بحسب اوزان عروض نسبت بعلو طبع اقدس و بلندی افکار صائبہ از ادنی مراتب است۔ مرزا صاحب ازیں حال لاعلم اند۔ طبع عالی و فکر صائب در دقائق حکمیہ و معضلات فلسفیہ بجائے میرسد کہ رسیدن افہام اعلام تا آں مقام معلوم الانتقا است دریں سخن ہیچ مبالغہ اغراق نیست حضور لامع انور بنفس نفیس امتحانات فرمودہ اند دیگر ایں امتحان ہم سہل است و نظر بہ ہمت والا در جود و سخا بذل آلاف الوف در اقل قلیل تواں پنداشت۔ مرزا صاحب حق سپاس گزاری ادا کردہ اند نظم قصیدۂ مدحیہ در غایت بلاغت انجام است، غالباً شرف اندوز ملاحظہ والا شدہ باشد"۔

مولانا کی اس تحریر نے مرزا صاحب کے سابقہ تعلقات از سر نو

استوار کر دیئے اور ایک مخلص دوست کی کوشش سے مرزا صاحب کی یہ تجویز کہ آیندہ ریاستوں میں پیرِیا اُستاد بن کر رسوخ حاصل کرنا چاہیئے ریاست رام پور میں کامیاب ہو گئی۔[1]

مولانا کو شعر و شاعری سے بڑی دلچسپی تھی اکثر مرزا غالب کا کلام سُنتے اگر کوئی غلطی ہوتی ٹوک دیتے۔ مرزا صاحب نے مولانا حالی سے یہ واقعہ بیان کیا کہ میں نے اپنا ایک قصیدہ مولانا کو سُنایا۔

ہم چناں در تتق غیب نمودے دارند
بوجودے کہ ندارند ز خارج اعیان

مولانا فضل حق نے فوراً ٹوک دیا اور کہا کہ اعیان ثابتہ کے لیئے نمود کا لفظ نامناسب ہے اس کی جگہ ثبوت بنا دو۔ چنانچہ مرزا صاحب نے درست کر دیا۔[2]

ہم چناں در تتق غیب ثبوتے دارند

لطیفہ مولانا پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری راقم السطور سے یہ واقعہ بیان فرماتے تھے کہ مولانا فضل حق جس زمانہ میں لکھنؤ میں صدر الصدور تھے تو منشی نول کشور سے راہ و رسم تھی۔ انھوں نے مولانا سے عرض کیا کہ فرصت کے وقت

---

[1] مکاتیب غالب صفحہ ۷۵ از مولانا امتیاز علی خاں عرشی۔ [2] یادگار غالب صفحہ ۸۔

میں عربی کی کتب کی کاپی کی تصحیح فرما دیا کریں۔ تو عین بندہ نوازی ہو گی۔ مولانا نے ازراہِ اخلاق منظور کر لیا۔ اس وقت مجتہد العصر کی ایک مناظرہ کی کتاب مطبع میں طبع ہو رہی تھی۔ اس کی کاپیاں تصحیح کے لئے آپ کی خدمت میں آئیں۔ آپ تصحیح بھی کرتے جاتے تھے اور اعتراضات کا جواب بھی حاشیہ پر لکھتے جاتے تھے۔ جب کتاب چھپ کر مجتہد العصر کے پاس پہونچی تو انھوں نے سر پیٹ لیا کہ تمام عمر کی کمائی برباد گئی۔ اور منشی نول کشور سے دریافت کیا تو اصلی واقعہ انھوں نے کہہ دیا۔ آخرش کتابوں کے انبار میں آگ لگوا دی گئی۔ [۱]

ظرافت طبع

مولانا باین علم و فضل خشک طبیعت نہ رکھتے تھے زندہ دلی رفیق طبیعت تھی مرحوم جس زمانہ میں انگریزی حکومت کے ملازم تھے ڈاڑھی سفید ہونے کو آئی خضاب کا استعمال شروع ان کے ایک مولوی دوست کو اس پر سخت اعتراض تھا اور وہ ہمیشہ مولانا سے کہا کرتے تھے کہ آپ خضاب کیوں لگاتے ہیں۔ مولانا ہمیشہ اپنے مولوی دوست کا یہ اعتراض سن کے خاموش ہو جاتے تھے۔ ایک دن ضبط نہ ہو سکا۔

---

[۱] فضلائے ہند از انتظام اللہ شہابی مطبوعہ آگرہ اخبار پریس

کہنے لگے "مولوی صاحب کوئی دُنیا کمانے کے لئے مسجد میں مولوی بن کر بیٹھتا ہے کوئی پیری مریدی کرتا ہے کوئی لوگوں کو تعویذ لکھ کر دیتا ہے میں بھی آخر دُنیا دار ہوں کمانے کے لئے مریدوں اور غریبوں کی جیب نہیں کاٹتا صرف اپنا ہی منہ سیاہ کر لیتا ہوں" مولوی صاحب جو اتفاق سے پیر جی بھی تھے اور فال تعویذ والے بھی اس جواب سے بہت منفعل ہوئے۔

بیعت مولوی فیض الحسن کہتے تھے کہ میرے استاد مولوی فضل حق رام پوری کا بیان ہے کہ علامہ فرماتے تھے کہ میں حضرت مجدد صاحب کے سلسلے کا زیادہ معتقد نہ تھا لیکن جب سے میں نے شاہ عبدالقادر کو دیکھا اس سلسلہ کا بہت معتقد ہو گیا کیونکہ اگر وہ سلسلہ فی الحقیقت ناقص ہوتا تو ایسے لوگ اس سلسلے میں داخل نہ ہوتے[1]۔ چنانچہ مولانا حضرت شاہ دھومن دہلوی کے مُرید ہو گئے[2]۔

---

[1] امیر الروایات صفحہ ۳۰

[2] تذکرہ علمائے ہند

پہلی جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء

مولانا فضل حق نے آنکھ کھولی تو اکبر شاہ ثانی کا عہد تھا۔ ابو ظفر کی تخت نشینی سامنے ہوئی انگریزی اقتدار کے جو واقعات گزرے وہ سب آنکھوں کے سامنے تھے خود بھی ایک عرصہ تک انگریزی حکومت کے عہدہ دار رہے۔ ہر بات کا پتہ رہتا تھا۔ ڈلہوزی کی پالیسی بروئے کار لانے کی سعی پیہم جاری تھی۔ عمال حکومت ہندوستانی کلچر کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے تھے اس پر طرہ یہ ہوا کہ تبلیغ عیسویت کا ڈنکا بجنے لگا۔ عیسوی مناد کی دریدہ دہنی کا شکار مقامی مذاہب ہو رہے تھے اسلام بھی لپیٹ میں تھا۔ پادری فنڈر اور مولوی رحمت اللہ کیرانوی اور ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی کے مناظرہ سے ان دنوں ہل چل سی مچ گئی تھی مسلم عوام کو خیال ہونے لگا تھا کہ اپنی حکومت تو گئی تھی، اب مذہب پر بھی ہاتھ صاف ہونے لگا رہی سہی اسلامی شان و شوکت اگر یہی حال رہا تو کچھ عرصہ بعد ختم ہوا چاہتی ہے۔

مولانا کی جوانی اور کہولت کا زمانہ دہلی میں گزرا آخری

عمر میں لکھنؤ گئے۔ وہاں کی حالت دہلی سے بدتر پائی۔ واجد علی شاہ نام کے بادشاہ تھے ______ مسجد ہنومان گڑھی شہید ہوئی مسلمان کفار کے ہاتھوں خاک و خون میں ملائے گئے۔ امیر علی شاہ کو خود اپنی فوج سے جس کا افسر بار لو انگریز تھا[1] توپ دم کرایا۔ بقیہ مجاہدین کو بھی سرکاری ہاتھوں گشتہ کرایا۔ واجد علی شاہ کو عیش و عشرت کی پڑی تھی ناموس اسلام کی تباہی اور ذلت سے غرض ہی نہ تھی۔ مولانا نے کچھ دنوں صدر الصدوری کی۔ آخرش امیر علی شاہ کے واقعہ اور مولوی احمد اللہ شاہ کی مجاہدانہ سرگرمیٔ عمل سے متاثر ہو کر لکھنؤ چھوڑا۔ الور راج چلے گئے۔ یہ زمانہ ۱۸۵۶ء کا تھا۔ واجد علی شاہ بھی حکومت سے علٰحدہ کر دیے گئے۔ الور میں راجہ کے پاس کچھ عرصہ رہے مگر دل بیچین تھا۔ ملک کی عام حالت نے مجبور کیا کہ جان سپاری سے کام لیا جائے۔ ادھر ہنگامہ ۱۸۵۷ء بپا ہوا دہلی سے راجاؤں کے نام خط بھی گئے۔ مولانا کو علم ہوا کہ راجہ سے گفتگو ہوئی۔ مگر وہ رام نہیں ہوا۔ یہ تنہا چل دیئے

---

[1] تاریخ اودھ از نجم الغنی رام پوری۔

جس طرف سے گذرے زمینداروں کو تلقین کرتے ہوئے چلے۔ غرض کہ ۱۶ اگست کو دہلی پہونچے۔ عام شورش کا سبب نواب اودھ کی معزولی اور بہادر شاہ کو نام و نہاد خطاب شاہی سے محروم کرنے کا اعلان تھا۔ اصل میں تو دہلی اور اودھ کی بادشاہت کبھی کی چھن گئی تھی لیکن رسمی باقی تھی۔ بادشاہ تمدنی اور معاشرتی زندگی کا مرکز تھا۔ اور راجا اور پرجا میں ایک رشتہ تھا۔

کمپنی کے عمال کی بدعہدی خود غرضی اور بدنیتی نے فرنگیوں کو بالکل بے نقاب کر دیا تھا۔ عوام اعراض کرنے لگے تھے تو خواص کا کیا عالم ہوگا۔ دیسی بدیسی کی کشمکش کی یہ زبردست ٹکر بالکل فطری تھی اور آخر ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو دل کا غبار آتش فشاں بن کر پھوٹ نکلا۔ عوام کی اس بے چینی کا اثر مولانا پر بھی پڑے بغیر نہ رہا وہ دہلی آتے ہی قلعہ میں گئے۔ بہادر شاہ سے اگلی رسم و راہ تھی۔ بادشاہ ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے ایک اشرفی نذر کی[۱]۔ موجودہ صورتِ حال کے متعلق بادشاہ سے گفتگو کی۔ بادشاہ کی اُمنگیں ختم تھیں۔ دوسرے شہزادوں کی

---

[۱] غدر کی صبح و شام صفحہ ۲۱۰

لوٹ کھسوٹ اور تخت شاہی کی تمنائیں باہمی رقابت کا میدان گرم کئے ہوئے تھیں مولانا نے دیکھا کہ شاید شہر میں بھی دو گروہ تھے۔ ایک بادشاہ کا ہمنوا دوسرا حکومت کمپنی کا بہی خواہ۔ فوجوں کا جائزہ لیا۔ حریت نوازوں کی دو جماعتیں ایسی بھی تھیں جو ایک مقصد کو لئے ہوئے جان پر کھیل رہی تھیں ایک جماعت مجاہدین کی تھی دوسری جماعت روہیلوں کی۔ یہ لوگ جنرل بخت خاں سردار روہیلہ کی زیر کمان تھا۔ مولانا کی خبر سن کر جنرل بخت خاں ملنے آئے چنانچہ مولانا نے آخری تیر ترکش سے نکالا جمعہ کے روز جامع مسجد میں علماء کے سامنے تقریر کی اور استفتا پیش کیا۔ مفتی صدر الدین خاں جوبز ہوئے۔ مولوی عبدالقادر قاضی فیض اللہ دہلوی۔ مولوی فیض احمد بدایونی۔ ڈاکٹر مولوی وزیر خاں اکبر آبادی۔ سید مبارک شاہ رامپوری وغیرہ نے دستخط کر دیئے مگر مفتی صاحب بالخیر کو بالجبر لکھ گئے۔ اس فتوے کے شائع ہوتے ہی ملک میں عام شورش بڑھ گئی دہلی میں نوے ہزار سپاہ جمع ہو گئی تھی[1] جنرل بخت خاں جس طرح مقابلہ کرنا چاہتا تھا مرزا مغل حائل ہو جاتا تھا۔ اس چپقلش کا نتیجہ یہ ہوا

---

[1] تاریخ ذکاء اللہ

کہ کمپنی کی فوج دہلی پر فتحیاب ہوئی اور اس کا اقتدار قائم ہو گیا۔ مرزا مغل وغیرہ گولی کا نشانہ بنے۔ جرنل بخت خاں اپنی فوج اور توپ خانہ کو نکال لے گئے۔ بادشاہ سے کہا آپ میرے ساتھ چلیں مگر وہ زینت محل اور مرزا الٰہی بخش کے ہاتھ میں کھیل رہے تھے۔ آخرش بادشاہ قید کئے گئے۔ اور جرنل بخت خاں نے لکھنؤ کا راستہ لیا۔ ڈاکٹر وزیر خاں مولوی فیض احمد وغیرہ سب لکھنؤ چلتے ہوئے مولانا فضل حق بھی لکھنؤ روانہ ہو گئے۔ لکھنؤ میں مولوی احمد اللہ شاہ دلاور جنگ نے قبضہ کر لیا تھا ایک طرف وہ اپنی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے۔ دوسری طرف برجیس قدر کی بادشاہی کا اعلان کیا گیا تھا۔ یہاں شیعہ سنی کی گتھی پڑ گئی تھی۔ جرنل بخت خاں وغیرہ دلاور جنگ کے جھنڈے تلے آ گئے تھے۔ انھوں نے انگریزوں سے خوب خوب مقابلے کئے۔ مگر قسمت ہار مان چکی تھی۔ سب تدبیریں اُلٹی پڑ رہی تھیں، شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ دلاور جنگ شاہجہانپور تشریف لے گئے۔ جرنل بخت خاں ساتھ تھے محمدی پور میں چند روزہ اسلامی حکومت قائم کر لی تھی وہیں نانا صاحب پیشوا مولوی عظیم اللہ کانپوری، شہزادہ فیروز شاہ وغیرہ سب آ جمع ہوئے۔ مولانا اپنے وطن چلے گئے۔ آخری جنگ شاہجہان پور میں ہوئی۔ جہاں وطنی بھائیوں نے شکست کھائی

دلاور جنگ دھوکے سے شہید ہوئے۔ اِدھر دہلی میں ہزارہا دار و رسن کے سزاوار قرار پائے۔ حضرت صہبائی معہ اپنے خاندان کے گولی کا نشانہ بنائے گئے۔

آزردہ۔ شیفتہ۔ عبدالقادر وغیرہ گرفتار کرلئے گئے اور آگے چل کر سفارشوں سے چھوٹے۔ مولانا اپنے وطن خیرآباد میں تھے۔ سیرۃ العلماء میں ہے کہ ۱۸۵۹ء میں سلطنت مغلیہ کی وفاداری یا فتوئ جہاد کی باداشں میں مولانا موصوف ماخوذ ہوکر سیتاپور سے لکھنؤ لائے گئے مقدمہ چلا مولانا موصوف کے فیصلہ کے لئے جیوری بیٹھی ایک اسیسر نے واقعات سن کر بالکل چھوڑنے کا فیصلہ کیا وکیل سرکار کے مقابل خود مولانا بحث کرتے تھے بلکہ لطف یہ تھا کہ چند الزام اپنے اوپر خود قائم کرتے اور خود ہی مثل تار عنکبوت عقلی و قانونی بحث سے توڑ دیتے۔ جج یہ رنگ دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ جج نے صدر صدوری کے عہد میں مولانا سے کچھ عرصہ کام بھی سیکھا تھا وہ مولانا کی عظمت اور تبحر سے واقف بھی تھا وہ دل سے چاہتا تھا کہ مولانا بری ہوجائیں اسے بے حد ہمدردی تھی اس وقت تک صورت بھی یہی تھی کہ مولانا پر جرم ثابت نہیں ہورہا تھا اور اُمید تھی کہ بری ہوجائیں گے۔ وکیل لاجواب تھے۔ چنانچہ پیروکار مقدمہ

منشی کرم احمد خیرآبادی نے لکھنؤ سے سید اعظم علی خیرآبادی کے نام خیرآباد خط لکھا تھا کہ :-

"مدت یک ماہ و چند روز است کہ جناب مخدوم والا خوان بحسب تقدیر مبتلائے حبس شدہ از سیتاپور بہ لکھنؤ برائے روبکاری صفائی روانہ کردہ شدہ اند زبانی آئندگان ــــــ ہم از تحریرات انجا ہر روزہ منکشف میشود کہ امروز فردا بفضلہ تعالیٰ رہائی خواہد شد روز بنا برادائے شہادت صفائی مولوی فضل حق صاحب مکرم مولوی نبی بخش صاحب بکرم مشفقی مولوی قادر بخش صاحب و برخوردار مولوی سید ضامن حسین بموجب درخواست (شمس العلما) مولوی عبدالحق جمعیت ایشان روانہ لکھنؤ شدہ اند۔ و ہمگیان را اُمید از خدائے کریم است دیگر روز بالضرور مخلصی یافتہ دار دولتخانہ خواہند شد او تعالیٰ ہم چنیں کند ہمہ ہا از خورد و کلاں و ذکور و اناث چشم براہ انتظار کشادہ میباشند و رنج و قلقے عظیم درا اندایزد جل علا بر جمیع کسان رحم خود فرمایند"

دوسرا دن آخری دن تھا مولانا نے اپنے اوپر کے بقیہ الزام رد کئے پھر پلٹا کھایا اور کہا جس مخبر نے فتویٰ کی خبر

کی اس کے بیان کی اَب میں توثیق و تصدیق کرتا ہوں میرا ہی لکھا ہوا ہے۔ اور میرے ہی مشورے سے علما نے دستخط کئے پہلے اس گواہ نے سچ رپورٹ لکھوائی تھی مگر اب عدالت کے سامنے میری صورت سے مرعوب ہو کر جھوٹ بولا ہے مجھے خدا کے حضور میں جانا ہے غلط بات مذہب کے مسلہ میں نہیں بول سکتا۔ جج اس بیان سے حیران ہو گیا۔ گھڑی گھڑی مولانا کو روکتا تھا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ رنگ دوسرا ہو چکا تھا۔ جج کو رعایت کی کوئی گنجایش ہی نہیں رہی تھی۔ بصد رنج و غم حبس دوام کا حکم سنایا مولانا نے بڑی مسرت سے حکم کو منظور کیا۔

"برادر من تا دہ عشرہ بسبب عدم بہرسی حامل این رقعہ افتادہ ماند حالیہ آدمی خاص مقرر کردہ فرستادہ می شد کہ جواب شافی یا بد وحال پُر ملال جناب مولوی فضل حق صاحب از لکھنؤ درین عرصہ نوشتہ آمد لائق گریستن و واویلا کردن است یعنی حبس دوام از پیش گاہ حاکم صدر یافت فواویلا واحسرتا او تعالیٰ رحم فرمایدلہ"

محررہ ہشتم فروری مطابق ۱۷ رجب ۱۲۷۵ھ

لہ سیر العلماء ص ۲۳

آخر ش مولانا انڈمان روانہ ہو گئے۔ مولوی شمس الحق دہلوی نے علامہ کے قریبی عزیز مفتی انعام اللہ شہابی گوپاموی کے داماد خواجہ غلام غوث خاں بہادر ذوالقدر میر منشی لفٹنٹ مغربی وشمالی کی معاونت سے اپیل کی تھی۔

مرزا غالب یوسف مرزا کو لکھتے ہیں :۔

مولانا (فضل حق) کا حال کچھ تم سے مجھ کو معلوم ہوا کچھ مجھ سے تم معلوم کرو۔ مرافعہ حکم دوام حبس بحال رہا بلکہ تاکید کی گئی کہ جلد دریائے شور کی طرف روانہ کرو۔ چنانچہ تم کو معلوم ہو جائے گا۔ ان کا بیٹا ولایت میں اپیل کیا چاہتا ہے۔ کیا ہوتا ہے۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

میاں داد خاں سیاح سیر کرتے ہوئے کلکتہ پہونچے تو مرزا غالب نے انھیں لکھا (۴ر اکتوبر ۱۸۶۱ء) ہاں خاں صاحب آپ جو کلکتہ پہونچے ہو اور سب صاحبوں سے ملے ہو تو مولوی فضل حق کا حال اچھی طرح دریافت کرکے مجھ کو لکھو کہ اس نے رہائی کیوں نہ پائی۔ وہاں جزیرہ میں اس کا کیا حال ہے گزارہ کس طرح ہوتا ہے[۱]۔

انڈمان | مولانا کو انڈمان میں خدمت بہت ذلیل سپرد کی گئی تھی بارگوں کی صفائی کیا کرتے تھے[۱]۔

---

[۱] دیکھو تواریخ عجیبہ از مولوی جعفر علی تھانیسری

جیل سپرنٹنڈنٹ ایک شریف انگریز مشرقی علوم کا
دلدادہ تھا فن ہیئت و نجوم سے اس کو خاص شوق تھا اس
کی پیشی میں ایک سزا یافتہ مولوی تھے۔ اس نے اپنی مصنفہ
کتاب ہیئت پر فارسی میں لکھی تھی وہ مولوی صاحب کو
عبارت درست کرنے کے لئے دی مولوی صاحب سے یہ
کام نہ چلا۔ علامہ فضل حق کے پاس کتاب لے کے آئے اور
جو ماجرا گزرا تھا وہ عرض کر دیا مولانا نے وہ کتاب لے
لی اور ایک ہفتہ میں معہ مفید اضافہ اور حاشیہ کے لکھ کے
اور درست کر کے مولوی صاحب کو دے دی۔ وہ کتاب
لے کے سپرنٹنڈنٹ جیل کے پاس گئے اس نے کتاب
دیکھ کے مولوی صاحب کی لیاقت کی بڑی داد دی۔
مولوی صاحب مسکرا دیئے سپرنٹنڈنٹ بولا مولوی ہماری
بات پر کیوں ہنستے ہو وہ بولے حضور یہ میرا کارنامہ نہیں ہے
بلکہ مولانا فضل حق کا ہے جو غدر کے سلسلے میں آئے ہیں
اسی وقت سپرنٹنڈنٹ مولوی صاحب کو لے کے مولانا
کے ٹھکانہ پر آیا مولانا نہ تھے۔ انتظار کرتا رہا دیکھا ایک شخص
ٹوکرا بغل میں دبائے چلا آرہا ہے مولوی صاحب نے کہا
کہ یہ ہی مولانا فضل حق ہیں سپرنٹنڈنٹ یہ ہیئت دیکھ کے

آنکھوں میں آنسو لے آیا اور مولانا سے معذرت کی اور اپنی پیشی میں لے لیا اور احترام سے پیش آیا کرتا تھا اور ان کے فضل و کمال کا واسطہ دیکے گورنمنٹ میں سفارش کی تھی۔ ادھر علامہ کے صاحبزادہ نے ولایت میں اپیل کر رکھی تھی خواجہ غلام غوث بے خبر نے اپنے پرانے عنایت فرما لفٹنٹ گورنروں کو لکھا تھا۔ آخرش پروانہ آزادی آ گیا۔ اور مولوی شمس الحق انڈمان روانہ ہوگئے۔ جب جہاز سے اُترے تو ایک جنازہ نظر آیا۔ اس کے ساتھ ہزارہا ہندو مسلمان حکام وغیرہ تھے۔ انھوں نے دریافت کیا معلوم ہوا کہ یہ مولانا کا جنازہ ہے۔ ۱۲ صفر المظفر ۱۲۷۸ھ کو انتقال ہوا تھا۔ بعد دفن کے یہ واپس وطن ہوئے۔

تصانیف الجنس الغمانی فی شرح الجواہر الغالی حاشیہ شرح سلم قاضی مبارک گوپاموی حاشیہ افق المبین۔ حاشیہ تلخیص الشفاء۔ الہدیہ السعیدیہ در حکمت طبعی رسالہ تحقیق العلم والمعلوم الروض المجود فی تحقیق حقیقۃ الوجود رسالہ تحقیق الاجسام رسالہ تحقیق کلی طبعی و تشکیک در ماہیات و رسالہ غدریہ۔

اخلاف علامہ کی دو بیویاں تھیں پہلی سے مولانا شمس الحق و مولانا عبدالحق دوسری سے

شمس العلماء مولانا عبدالحق اور تین صاحبزادیاں بی بی سعیدان جن کے بطن سے افتخار حسین مضطر اور محمد حسین بسمل خیرآبادی تھے۔

شمس العلما علامہ عبدالحق عمری خیرآبادی

نام ولقب علامہ عبدالحق خطاب شمس العلما تھا۔

پیدائش مولوی عبدالحق ۱۲۴۴ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے باپ سے فاضل و یگانہ روزگار سے علوم وعقلیات و نقلیات کی تحصیل کی کم عمری میں فارغ التحصیل ہوئے اور مثل والد ماجد درس و تدریس میں لگ گئے۔

سوانح مہاراجہ الور نے بُلا بھیجا، آپ رئیس کی طلبی پر گئے وہاں بڑی آؤ بھگت ہوئی راجہ بے حد تواضع سے پیش آیا۔ ۱۲۷۳ھ میں ہنگامہ رونما ہوا، باپ نے فتویٰ جہاد پر دستخط کئے تھے اس کی وجہ سے ان پر مقدمہ چلا، آخر میں کالا پانی ہوا، یہ الور سے وطن چلے آئے۔ نواب وزیرالدولہ نے ٹونک طلب کیا، وہاں چلے گئے۔ نواب نے توقع سے زیادہ

قدردانی کی۔ کچھ عرصہ بعد رام پور چلے گئے۔ پھر رام پور سے وطن چلے آئے ۱۸۷۱ء میں کلکتہ گئے حاکم مرافعہ اور مدرسہ عالیہ کے افسر مقرر ہوئے۔ گورنمنٹ نے شمس العلما کا خطاب دیا۔ ۱۸۹۶ء میں نواب حامد علی خاں نے باصرار رام پور بلا لیا اور خود تلمذ اختیار کیا۔

نواب حامد علی خاں مولانا کی بے حد تعظیم و تکریم کرتے تھے، آخر عمر میں مولانا کی نازک مزاجی بہت بڑھ گئی تھی مگر نواب صاحب اُستاد کی ہر بات کو سراہا کرتے تھے۔

لطیفہ مفتی خلیل احمد صدیقی انسپکٹر پولیس بھوپال[ل] جو مولوی رکن الدین نبیرۂ ملا قطب الدین گوپاموی کے نواسہ[لے] فرماتے تھے۔ مولانا عبدالحق کو ایسا عارضہ لاحق ہو گیا تھا جس کی اصلاح و ازالہ کے لئے بگلا کا شوربہ ہفتہ میں چند مرتبہ کھانے کے ساتھ استعمال میں آیا کرتا اس وجہ سے گھر پر مثل بطوں و مرغوں کے مولانا کے یہاں بگلے پلے رہتے تھے۔ آپ کے دوست نے تحفہ میں بٹیریں بھیجیں وہ آئیں اور کچھ روز بعد خیراتی میاں نے دو دو ایک ایک کر کے نوش جان کیں۔ مولانا کو ایک دن خیال آیا کہ بٹیریں گھر میں

[لہ] سالنامہ مشورہ نمبر آگرہ [لے] ماثر الکرام مولانا آزاد بلگرامی

ہیں اس کا پلاؤ پکایا جائے۔ میاں شبراتی بلائے گئے۔ اُن
سے کہا آج بٹیروں کا پلاؤ پکانا، وہ کہنے لگے میاں ان
بٹیروں کو تو آپ کے بگلے ایک ایک کرکے نگل گئے۔
انھوں نے سُن کر کہا اچھا بگلے کھا گئے۔ اَب جو آتا مولانا
اس واقعہ کو سناتے، مولوی اسد الحق آپ کے خلف الرشید
تھے وہ صبح کا سلام کرنے باپ کے سامنے آئے تو ان سے
بھی کہا میاں اسد ہمارے بگلے سب بٹیریں کھا گئے۔
شبراتی کہتا ہے مولوی صاحب نوعمر تیز طبیعت تھے کہنے لگے
ابا جان شبراتی نے خود بٹیروں کو چٹ کیا ہے اور بگلوں
کے سر تھوپتا ہے۔ کہیں ابا بگلے بھی بٹیریں نگل سکیں گے
مولانا نے ترش رو ہو کر ان سے کہا "دُور ہو بے اَدب
ہمارے سامنے چرڑ برڑ کرتا ہے۔ گستاخ کہیں کا" یہ بسورتے
ہوئے گھر میں گئے، دو چار دن تو یہ رہا صبح سلام کرنے
آتے تو مولانا ان سے منہ پھیر لیتے جب مولانا کا غصہ ٹھنڈا
پڑا، مولوی اسد الحق نے دست بستہ باپ سے معافی
مانگی تو ان سے مولانا بولے میاں اسد یہ ڈاڑھی دھوپ
میں تو سفید ہوئی نہیں۔ عمر کچھ تو گزری ہے کیا میں نتھا ہوں۔
اتنا بھی نہیں جانتا کہ بٹیریں کون کھا گیا مگر شبراتی ابا میاں

کا جھو کرا ہے۔ پُرانا خدمت گزار ہے اس کو جھوٹا کہنا اپنے طور و طریق کے تو خلاف ہے یہ شہرت جو ہمہ وشما کے سامنے کی گئی وہ خود مخجل نظر آتا ہے۔ آئندہ اس کو تنبیہ بھی ہوگئی اور لطیفہ کا لطیفہ رہا میاں اپنے آدمی کی عزت کی پاسداری رکھا کرتے ہیں، دیکھتے ہو میاں شبراتی کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا کرتا ہوں آپ آئندہ سے ایسی کوئی بات منہ سے بے سوچے سمجھے نہ نکالنا۔ جو بڑوں کے لئے حرف گیری اور توہین کی حد تک ہو۔

واقعہ سید محمد فاروق متخلص بہ نیّر بنیرۂ مولانا ابواجہ کرمانی خیرآبادی یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ شمس العلما رخوش خوراک وخوش لباس امتیازی درجہ تک تھے، جس کی وجہ سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ عموماً ناکافی رہا کرتی۔ آگرہ سے تحصیل علم کے لئے نگلہ اروی کے زمیندار کے صاحبزادہ (حافظ محمد محسن شہید) خیرآباد مولانا کے پاس پہونچے حافظ صاحب موقع بہ موقع فراخ دلی سے اُستاد پر روپیہ صرف کیا کرتے۔ ایک عرصہ تک دستور چلا آرہا تھا کہ لکھنؤ کے بعض دوکاندار نیا مال لائے اور مولانا کے لئے خیرآباد پہونچے، اکثر دوکانداران لکھنؤ میں آپ کی دریادلی کی

لہ آمدنامہ مولانا فضل امام خیرآبادی۔

شہرت تھی۔ ایک پارچہ فروش جس کے یہاں نئی نئی اقسام
کی الوانیں کشمیر سے آئی ہوئی تھیں۔ وہ تعلقداران لکھنؤ کے
دکھانے سے پہلے مولانا کے پاس لے گئے۔ مولانا درس گاہ
میں رونق افروز تھے۔ پارچہ فروش نے شبراتی کی معرفت
اطلاع کرائی، اجازت ملتے ہی حاضر آیا۔ ہر قسم کے پارچوں
کے ساتھ الوانیں پیش کیں ان میں سے ایک الوان مولانا کی
پسند خاطر ہوئی آپ نے پوچھا لالہ جی اس کے دام کیا ہیں،
اس نے کہا دو سو کی ہے مگر آپ کے لئے صرف سوا سو کی ہے
آپ نے خوش ہو کر کہا اچھا بھئی ہمارے لئے یہ رعایت ہے
تو ہم لئے لیتے ہیں۔ قلمدان طلب کیا، کنجیوں کا گچھا نکالا،
صندوقچہ کھولا دیکھتے ہیں کہ پچاس روپیہ مع دو اشرفیوں کے
پس انداز ہیں، کہا بھائی کل آنا اس مال کو دوسرے کو
نہ دے دینا، ہمارے لئے ہی رکھنا، حافظ محمد محسن سبق پڑھا
رہے تھے اور یہ سب کیفیت آنکھوں دیکھتے گزری، اِدھر یہ
محسوس ہو رہا تھا کہ استاد کی نظر الوان پر ہے، سبق سے
فارغ ہو کر سرائے پہونچے اور پارچہ فروش سے ملے وہی
الوان ساٹھ روپے میں طے کر کے خریدا اور لے آئے اور شام
کو جب سبق لینے حاضر ہوئے الوان استاد کے سامنے پیش کی کہ
حضرت جو الوان پسند خاطر ہوئی تھی بسوا سو کی بجائے میں اپنے

حسن تدبیر سے ساٹھ روپیہ میں خرید کر لایا ہوں، حافظ صاحب کو یہ خیال تھا کہ مولانا میری کفایت شعاری سے خوش ہوں گے، شاباشی دینگے، مگر مولانا نے الوان کو اُلٹا اور پلٹا اور کہا یہ وہ الوان ہی نہیں ہے۔ اور وہ پارچہ فروش میری پسند کی چیز کو کبھی بھی زیادہ یا کم داموں میں بیچ ہی نہیں سکتا۔ یہ لے جاؤ اپنے کام میں لاؤ، حافظ صاحب سٹ پٹائے۔ استاد کی خوشنودیٔ مزاج کے لئے یہ کیا تھا اور اُلٹا اثر یہ ہوا، مولانا ان سے اس حرکت پر کبیدہ خاطر ہو گئے درس سے اٹھ کر شبراتی کے پاس آئے اور سب حال کہا اور بے حد غمگین ہو گئے۔ شبراتی بولا مجھے کیا دو گے جو میں پسند کرا دوں، حافظ صاحب نے اُسی وقت پانچ روپیہ نذر کئے، دوسرے دن پارچہ فروش آیا، شبراتی نے اندر آنے سے روکا اور کہا مولانا کی طبیعت ناساز ہے اور وہ الوان جو خریدنا چاہتے تھے وہ تو تم سے مولانا کے شاگرد کل ہی کم داموں خرید لائے اور مولانا کو دیدی گئی، یہ سن کر پارچہ فروش نے لکھنؤ کا راستہ لیا۔ ادھر اسی الوان کو لے کر مولانا شبراتی پہونچے۔ حضور حافظ صاحب نے دھوکا کھایا تھا فی الحقیقت جو الوان آپ نے پسند کی تھی وہ تو آپ کے لئے اس نے رکھ چھوڑی تھی، اس سے ملتی جلتی حافظ صاحب کے سر منڈھی اور ان سے کہا کہ مولانا کی یہ پسند کردہ ہے۔ میں نے

الوان بھروائی اور آپ کے پسند کی الوان نکلوائی. حافظ صاحب نے پورے دام ادا کر دیے۔ میں اور حافظ صاحب لے کر حاضر خدمت ہوئے اور پارچہ فروش لکھنؤ چلا گیا، مولانا نے اس کو دیکھا بھالا اور کہا کہ بھائی یہ ہی تو میں کہتا تھا کہ وہ کیسے اتنے کم داموں میں دے دیگا۔ میاں محسن یہ تو دیکھو مجھ گدائے متکبر بوریہ نشین معلم پیشہ کی خاطر دوکاندار لکھنؤ سے بڑے بڑے تعلقداروں کے سامنے مال پیش کرنے سے پہلے آتے ہیں کوئی بات تو ہے میاں میں نادان نہیں ہوں یہ اپنی بات ہے جو دام کہے وہ منظور کیے اسی بات کی تو یہ بات ہے کہ مجھ بینوا کے پاس دوکاندار سالانہ آتے ہیں۔ اپنی بساط بھر اُن کی دلجوئی کر دیا کرتا ہوں۔ دو چار پیسے زیادہ جاتے ہیں مگر یہ دُور دُور چرچا ہے کہ ایک معلم بھی اس آن کو لے بیٹھا ہے۔ جو اس سے دام مانگتا ہے پورے پاتا ہے یہ بھی علم کا وقار ہے، ہمارے پیشوائے اعظم امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے مقتدا پیر دستگیر محی الدین عبدالقادر جیلانی بھی لباسِ فاخرہ ہی زیب تن کیا کرتے تھے اس لباس کے نیچے ٹاٹ کا کرتا ہوتا تھا تو دیکھو ان کا غلام بھی کرتے کے نیچے موٹے گاڑھے کی نیم آستین پہنے ہوئے ہے، لباس پُر تکلف تو علم کا وقار اور عظمت دکھانے کے لئے ہے ورنہ اپنی خلوت گاہ میں گاڑھے کا تہبند اور نیم آستین ہی پہنے رہتا ہوں مگر قرآن اور حدیث اور

معقول کے درس کے وقت لباسِ فاخرہ ہی پہن کر بیٹھتا ہور جاؤ سبق یاد کرو یہ کہہ کر محل سرا میں تشریف لے گئے۔

بول چال گفتگو بہت سلیس تھی اور ٹھیٹ اردو بولتے تھے، دتّی کی ٹکسالی زبان آپ کی تھی آپ کے دادا مولانا فضل امام دہلی میں صدر الصدور رہے ان کی عمر کا بڑا حصّہ وہیں گذرا، باپ مولانا فضل حق دتّی میں پیدا ہوئے دتّی ہی میں رہے آخر میں لکھنؤ چلے آئے۔ خود کی ابتدائی عمر دتّی والوں میں بسر ہوئی۔ مولوی صدر الصدر الدین خاں آزردہ۔ نواب مصطفٰے خاں شیفتہ۔ نواب مرزا اسد اللہ خاں غالب۔ حکیم مومن خاں سے ارباب علم و فضل کی بچپن میں صحبت اُٹھائی۔ دتّی کے شہزادوں کے ساتھ بچپن میں کھیلے، یہی وجہ تھی کہ اردوئے معلّٰی کی زبان بولتے تھے۔

مفتی فخر الحسن بنیرہ حاجی صفت اللہ محدث خیرآبادی کہتے تھے کہ مولانا کی گفتگو کبھی کوئی غیر مانوس لفظ نہیں آنے پاتا، عربی یا فارسی کا کوئی لفظ استعمال نہیں کرتے تھے۔ سادی بول چال تھی۔

مفتی اکرام اللہ شہابی گوپاموی قاضی صدر الدین ہرگامی کے پر نواسہ تھے اور مولانا عبدالحق پر پوتے مفتی صاحب سے عمر میں بڑے تھے۔ الہ آباد میں مفتی صاحب مختاری کا شغل رکھتے تھے، مولانا بھی الہ آباد آئے ان کے یہاں مقیم ہوئے۔ مفتی صاحب کے اثنائے

صحبت میں پوچھا۔ بھیا دُنیا میں حکیم کتنے گزرے ہیں جن کو فی الحقیقت حکیم کہا جا سکتا ہے۔ مولانا کہنے لگے میاں بتن (یہ مفتی صاحب کی عرفیت تھی) ساڑھے تین حکیم صرف اب تک عالم میں پیدا ہوئے۔ ایک معلّم اول (ارسطو) معلّم ثانی (ابو نصر فارابی)۔ تیسرے والد ماجد (مولانا فضل حق) نصف بندہ۔

خُلق مولانا خلیق متواضع بزرگ تھے، مولوی اخلاق الحسن خیر آبادی بیان کرتے تھے کہ مولانا کے اخلاق کی یہ ادنیٰ سی بات تھی کہ کوئی شخص صرف سلام کے لیے جاتا تو کم از کم مولانا کے پاس سے گھنٹہ دو گھنٹہ بعد آتا۔ آپ کے حسنِ مذاق اور شگفتگی مزاج کی شہرت عام تھی۔ ہنس مکھ تھے، مولوی اولاد حسین صاحب (جن کا قیام زیادہ تر جے پور میں رہتا تھا) کہتے تھے کہ مولانا میں انکسار بیحد تھا چھوٹے سے چھوٹے کو بھائی کہہ کر گفتگو کرتے اگر کسی سے گفتگو ہو رہی ہے تا وقتیکہ وہ خود مولانا کے پاس سے نہ جائے خود اس کو رخصت نہ کرتے تھے کہ کہیں اس کا دل میلا نہ ہو۔

حلیہ کشیدہ قامت، گول چہرہ، ڈاڑھی بھری ہوئی۔ خوبصورت شان و شکوہ کے بزرگ تھے۔ لباس میں انگرکھا بہت پسند تھا۔ عرض کے پائنچے کا پاجامہ پہنتے۔ نیچی آستین کا کُرتہ اور نما ٹوپی پہنتے گاہے گاہے عبا بھی پہنا کرتے تھے۔ عالمانہ وقار چہرہ سے عیاں رہتا تھا عمامہ بھی باندھتے تھے، پُرانی دلی کی وضع کے پابند تھے۔

وفات رام پور میں مولانا بیمار ہوئے وطن چلے آئے ۲۴ر شوال ۱۳۱٦ھ کو انتقال ہوا۔ حضرت شیخ سعد قدس سرہٗ کے درگاہ میں مسجد کے شمالی جانب دس قدم پر دفن ہوئے، افسوس ہے کہ مزار پر کتبہ بھی نصب نہیں ہے۔

تصانیف الجواہر العالیہ فی الحکمۃ المتعالیہ۔ شرح ہدایت الحکمت شرح المرقات للعبد الحق خیرآبادی۔ شرح عقائد نسفی زبدۃ الحکمت (اُردو) وغیرہ۔

تلامذہ مولوی حکیم برکات احمد طبیب دربار ٹونک۔ مولوی فضل حق صدر مدرس مدرسہ عالیہ رام پور۔ مولوی علی احمد خاں اسیر بدایونی پروفیسر سینٹ جانس کالج آگرہ آپ کے تلامذہ سے ہیں۔

اُردو میں فلسفہ مولانا پہلے فرد ہیں جنھوں نے اُردو میں فلسفہ پر مستقل کتاب لکھی، ٹونک کے قیام کے زمانہ میں یہ رسالہ لکھا ہے۔ زبدۃ الحکمت نام رکھا۔ افضل المطابع دہلی میں ۱۳۳۱ھ میں طبع ہوا فلسفہ کے دقیق مسائل کو بہت ہی سہل صورت میں پیش کیا ہے، منطقیات وطبیعات والٰہیات پر یہ کتاب مشتمل ہے، عبارت میں دقت نہیں ہے۔ مصطلحات قدیم قائم رکھے ہیں زبان صاف اور شستہ ہے۔